PERMESHVER

(۸) پیر حسام الدین امیرا کدل کشمیر

دی کشمیر ناول ایجنسی

(۱۳۰)

نام

مصنف

نمبر کتاب

قیمت

492

پروپرائٹر

پیر حسام الدین جنرل مرچنٹ امیرا کدل کشمیر

۱۵۰۵

بترس از آہ مظلوان کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

خدا کی لاٹھی

مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

جسمیں
منشی لطیف احمد کی خود غرضی بے ایمانی اور اس کے نتائج - رحیمن
کی مظلومی ناکامیابی اور عبرت خیز موت - آسمانی انتقام و
انجام ستم کا خاکہ بحسن و خوبی کھینچا گیا ہے -

پیر حسام الدین امیرا کدل کشمیر
دی کشمیر ناول ایجنسی
نام
مصنف
نمبر کتاب
قیمت
پروپرائٹر
پیر حسام الدین جنرل مرچنٹ امیرا کدل کشمیر

ناول

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

خُدا کی لاٹھی

جسمیں

منشی لطیف احمد کی خود غرضی، بے ایمانی اور اس کے نتائج، رحیمن کی مظلومی،

ناکامیابی اور عبرت خیز موت، آسمانی انتقام و انجام ستم کا خاکہ بحسن و خوبی

کھینچا گیا ہے

مصنفہ

مرزا فدا علے خنجر لکھنوی

تصنیفات مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

(۱) ظالم عشاق۔
(۲) انجم و نجمہ۔
(۳) غمگین عاشق۔
(۴) نرالا عاشق۔
(۵) مظلوم لڑکی۔
(۶) جنگ طرابلس۔
(۷) محل خانہ شاہی۔
(۸) بسنتی دیوی۔
(۹) خریدار حسن۔
(۱۰) بنگالی جاسوس۔
(۱۱) بے زبان دوست۔
(۱۲) نازنین پیرس۔
(۱۳) سرلا دیوی۔
(۱۴) اعجاز محبت۔
(۱۵) ظریف الطبع۔
(۱۶) فطرتی جاسوس۔
(۱۷) سراغرسان عاشق۔
(۱۸) امریکن جاسوس۔
(۱۹) انجام عشق۔
(۲۰) انگریز ڈاکو۔
(۲۱) بہار جاوید۔
(۲۲) گلشن
(۲۳) خوفناک سازش۔
(۲۴) خوفناک انتقام۔
(۲۵) خوفناک دوست۔
(۲۶) خوفناک قتل۔
(۲۷) خونی آقا۔
(۲۸) بحری لاش۔
(۲۹) باب جنان۔
(۳۰) لاڈو بیگم۔
(۳۱) کلام خنجر۔
(۳۲) مناجات۔
(۳۳) مناقب۔
(۳۴) دو آتشہ اردو۔
(۳۵) خوش نصیب قاتل۔
(۳۶) خونی بھائی۔

خدا کی لاٹھی

پہلا باب

منشی لطیف احمد

منشی لطیف احمد۔ افسردہ خاطری سے ناک سکوڑے اور بھویں چڑھائے، آنکھیں جلد جلد بند کرتے اور کھولتے اپنے نیم پختہ مکان کا دروازہ کھولکر بڑبڑاتے ہوئے برآمد ہوئے۔

"توبہ توبہ دنیا بھی کیسی کمینہ پرست اور لغو ہی، شریفوں کا زندہ رہنا غیر ضروری، بیکار، بلکہ انکی توہین کا سبب ہے، مین تو اس زندگی سے عاری ہون، ایسے جینے سے موت کو درجہ بہتر لوگ متوکلی دست درازیون کے شاکی ہین! مین تو اُسے دوست رکھتا ہون، سچ ہے موت کو جسقدر دعوتین دیجاتی ہین، اُسے اتنی فرصت ہی نہین۔ اگر قضا ہماری دعوتین قبول کرنے لگے تو شاید دنیا مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک سُنسان ہی سنسان نظر آئے!!

منشی لطیف احمد۔ قصبۂ سنڈیلہ کے ممتاز رئیسون مین شمار کیے جانے کے قابل تھے، اُن مین وہ صفات تمام وکمال پائے جاتے تھے جو رؤسا و عمائدین کے لئے ضروری ہوا کرتی ہین! اُنکے اخلاق و ایثار نے ماشاءاللہ سارے قصبہ کو اپنی طرف رجوع کر لیا تھا! اُنکی شہرت عام کسی تعارف کی محتاج نہین! اکثر قصبہ کے چھوٹے بڑے منشی جی کا ذکر خیر کرتے اور عرس مناتے ہین، حالانکہ اُن مین کسی کو منشی جی کی تاریخ وفات اور جائے دفن کا علم نہین!

منشی لطیف احمد۔ کے وسیلہ معاش کو اتنا ہی وسیع خیال فرمایئے، جتنا وسیع دائرۂ بیوقوف انسانی حماقتون اور کمزوریون کا ہوتا ہے! اُنکے خاندان مین سات پشتون سے سلسلۂ مختاری چلا آتا تھا اگرچہ یہ پیشہ معمولی اور قلیل پونجی والے سفید پوشون کا ہے اور منشی جی کو شرم آتی تھی لیکن اس رسم قدیم کی مضبوط زنجیر دنکو توڑ کر آزاد ہو جانا خلاف وضع تھا۔ پرانے خیال کے لوگ وضعداری کو فرض

اولین یا تمنۂ شرافت خیال کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ چار و نا چار منشی لطیف احمد نے خاندانی پیشہ اختیار کرلیا اور اسی کو انکی موروثی جاگیر کہا جا سکتا ہے۔

منشی جی بالمرہ عدالت منصفی مین برگد کے درخت کے نیچے ایک لوسیدہ چوکی پر میلی کچیلی دری کا ٹکڑا بچھائے، قلمدان اور کاغذ کا پیکٹ کھولے جلوہ فرما نظر آتے تھے، گو ہم نے بہت تحقیق کی مگر آجتک کسی سے نہ سنا کہ اُس نے کبھی ہمارے قابل منشی جی کو کسی وقت عدالت مین کسی مقدمہ کی پیروی کرتے دیکھا ہو، اگر ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ منشی لطیف احمد قانون دانی اور مقدمہ بازی مین فرد تھے اور عرف عام مین مختار کے معزز لقب سے مشہور ہونا کسیطرح ناموزون نہ تھا! طوفان آئے۔ بجلی چمکے پانی برسے۔ اولے پڑین۔ مگر منشی جی ٹھیک ٹائم پر بستہ بغل مین دبائے کچہری پہونچ جاتے۔

جب وہ گھر سے نکلتے تو اُنکے عقیدت مند وارادت کیش دہقانیون اور قصباتی سادہ لوح باشندون کا جم غفیر نظر آتا اور انکا جلوس بڑی شان و شوکت سے عدالت تک پہونچایا جاتا۔ راستہ بھر اُنکی شاہانہ نگاہین اپنے احترام کرنے والے مریدون پر پڑتین اُنکا دل کھل جاتا، لبونپر ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوتی اور موٹے موٹے ہونٹون کے بیچ سے عنابی دانتون کی جھلک دکھائی دیجاتی۔

سنڈیلے کے قریب و جوار مین مشہور تھا کہ منشی جی اول درجہ کے خوش گفتار و فصیح البیان ہین، اُنکی تقریر مین مخاطب اللہ اثر ہے جو سامعین کو اپنی طرف مخاطب کرلیتا ہے۔ حکام اُنکی مدلل گفتگو کا لوہا مانتے تھے قانون پیش پا اُفتادہ تھا۔ کامیابی ہر وقت ہاتھ جوڑے سامنے کھڑی رہتی تھی یا یہ اور بات ہے کہ موکل کی بدقسمتی سے اکثر مقدمات عدم پیروی مین خارج ہو جائین، اور وہ اپنی کم عقلی اور بیوقوفی سے ہمارے منشی جی کو الزام دے بیٹھے۔

کبھی کبھی اجمق قصباتیون کی تیغ زبان نے منشی لطیف احمد کو مجروح کرنا چاہا، نہین نہین مجروح کیا بھی، لیکن اس شجاع و بہادر شخص نے اپنے فطری ایثار و حلم پر نظر کرکے سکوت اختیار کیا، اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کو اپنی توہین سمجھکر اُنکی کرخدی کسیلی گفتگو کو شربت کے گھونٹون کی طرح پی گیا۔ ہونا بھی یہی چاہیئے تھا بدعقلون یا چھوٹی ذات والون کے منہ لگنا ہمیشہ ذی مرتبہ لوگون کی تذلیل و تحقیر سمجھا گیا ہے۔ اور اس نکتے کو منشی لطیف احمد پوری طرح سمجھے ہوئے تھے۔

ابھی کل ہی کی بات ہے۔ کہ الہ دے قصائی۔ کمینہ بیہودہ۔ نالائق۔ منشی جی کے معزز دروازے پر آکر مضحکانہ انداز سے خدا جانے کیا کیا کچھ گستاخیان کرگیا۔ اسکی بدزبانیون سے عموماً سارا قصبہ پناہ مانگتا ہے۔ مگر کل کی مغلظات کو سُن سُن کر تو راہ چلنے والون نے کانون پر ہاتھ رکھ لیئے۔

ہم اس جگہ منشی لطیف احمد کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ انھوں نے اپنے زود رنج و نادان دوست کی دلشکن گفتگو کو حرف بحرف سُنا۔ مگر کانون پر جون تک۔ نہ رینگی۔ دوسرا ہوتا۔ تو جامے سے باہر ہو جاتا۔ اور بس چلتا تو ایسی سزا دیتا کہ بچہ کچھ دنون تک یاد کرتے۔ مگر منشی جی زنانخانے سے بھی برآمد نہ ہوئے۔

واقعی اُنکا باہر نہ آنا مآل کار اور دانشمندی کی بڑی دلیل تھی۔ وہ بھی آدمی تھے۔ اُنکے بھی پہلو مین دل گردہ تھا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا؟ کہ الہ دے کی چرب زبانیون سے طبیعت مین اشتعال پیدا ہو جاتا۔ اور وہ جذبات حیوانی (غصہ) سے مغلوب ہو کر اُس کندۂ ناتراش (الہ دے) کی گوشمالی کر دیتے ایک پیچ ذات قصوٹے کو مار کر سوا ندلیل کچھ حاصل نہ ہوتا! ایسا بھی ہو سکتا تھا۔ کہ الہ دے مغلوب الغضب الہ دے اپنی نا شائستگی و بے تمیزی سے پیل کر بیٹھتا۔ آبرو پیدا کرنا مشکل اور آبرو اُتر جانا آسان ہے۔ ذرا سی دیر مین منشی جی کے گھرانے بھر کی عزت ڈوب جاتی حاسد اس واقعہ کو رنگ رنگ۔ اور حاشیے چڑھا چڑھا کر بیان کرتے پھرتے اور منشی لطیف احمد کو صورت دکھاتے نہ بنتا۔

اسوقت بھی چھٹکی کی بہن اپنے چھ آنے پیسو نکے لیے نہ جانے کیا کیا صلواتین سُنا گئی! اس کمبخت نے تو غضب ہی کر دیا۔ کہ مکان کے اندر گھس گئی۔ منشی جی چوکی پر تھے۔ اُنکے نکلنے کا بھی انتظار نہ کیا پہلے تقاضہ اور بعد مین بے سر و پا بڑ شروع کر دی! مزا تو یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے نادہندگی کا الزام بھی لگا دیا۔ وہ رقم ہی کیا تھی؟ جو منشی جی نہ دیتے۔ شاید بھول گئے ہونگے۔ اور پھر دن ہی کے ہوئے تھے؟ زیادہ سے زیادہ تین برس! کمبخت اتنی ہی قلیل مدت مین گھبرا گئی! ذرا سا بھی انتظار نہ ہو سکا۔ آج نہین دے تھے تو کل سب حساب چکا دیتے۔ اکثر لوگ قرض لیکر بھول جایا کرتے ہین۔ اور منشی جی کو یہ عادت ورثہ مین ہاتھ آئی تھی۔ بہشت نصیب ہو خیرات احمد منشی جی کے والد بھی لیکر دینا نہ جانتے تھے مرحوم دادا مین بھی یہ عادت بدرجہ کمال پائی جاتی تھی! جد امجد پردادا) بھی اس خاندانی کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ والدہ اور جدۂ محترمہ تو خاص طور پر مشہور ہو گئی تھین۔ قصبے کی دست فروش عورتین اُنکے ہاتھ قرض بیچنا حرام مطلق خیال کرتی تھین۔ المختصر ننھیال و ددھیال دونون طرف سے منشی جی کو ورثہ ملا تھا۔ اس حالت مین چھٹکی کے چھ آنے پیسے بھول جانا تعجب کا نہ تھا۔ ہمین جو کچھ بھی شکایت ہے وہ چھٹکی سے ہے کہ وہ اتنا جلد کیون بیتاب و بیقرار ہو گئی؟ اسے تو صبر و شکر سے کام لینا چاہیے تھا پیسونکا کیا تھا؟ کبھی نہ کبھی مل ہی جاتے۔ اس عالم مین سہی۔ اگر دنیوی عدالت کا دروازہ اُنکے لیے بند تھا تو تھا آخرت کا اجلاس تو آغوش شوق کیطرح کھلا تھا۔

منشی لطیف احمد نامتدین بھی نہ تھے۔ قصباتیون کی اکثر امانتین انکی حفاظت مین رہا کرتی تھین یہ چھ آنے تھے کس شمار مین۔ تھوڑی دیر کو یہی سمجھ لیتی "میرے پاس نہ رہے منشی صاحب کے پاس رہے۔ بات ایک ہی تھی۔ مگر کم اصلون مین صبر کی قابلیت کہان؟ وہ خود اپنی ذات پر بھی بھروسہ نہین کرتے! اور یہ ظاہر ہے جو لوگ خود اپنے آپ پر اطمینان نہین رکھتے وہ دوسرونکا اعتبار کیونکر کرسکتے ہین؟ اس صورت مین چھٹکی اپنی خصلت سے مجبور تھی۔ اُس نے خوب خوب گردن ہلا۔ ہلا اور اُنگلیان مٹکا۔ مٹکا کر کہا۔ صرف منشی جی ہی پر اکتفا نہین کی۔ بلکہ گڑے مردونکو بھی قبر سے اُکھیڑ پھینکا۔ سات پیڑھی تک پن کے رکھدی۔

منشی لطیف احمد کا صبر قابل داد ہی، اُنھون نے ٹھنڈے پیٹون سب باتین سنین۔ چوکی سے نکلکر۔ ہاتھ مُنھ دھویا۔ رات کا رکھا ہوا کھانا کھایا۔ کھونٹی سے اچکن اُتار کر پہنی۔ بیوی سے پانونکی ڈبیا لیکر جیب مین رکھی۔ اور عدالت کے قصد سے چلے۔

کبڑن بھی ایک ہی بلاے بیدرمان تھی۔ جھاڑ کا کانٹا بنکر دامن سے اُلجھی اگرچہ منشی جی کو اس گستاخی پر غصہ بھی آیا۔ لیکن مصلحتاً۔ آج کل مین اس کا مطالبہ بیباق کر دینے کا وعدہ کرکے باہر نکلے اسوقت اُنکی زبان پر وہی جملے تھے جو ہم شروع مین لکھ آئے ہین۔

(۲)

کساد بازاری

منشی لطیف احمد بکتے جھکتے عدالت کیطرف روانہ ہوے مگر یہ نئی بات تھی کہ آج انکے ساتھ مریدونکا گروہ نہ تھا۔ اگر راستہ مین کوئی ملا بھی تو دور سے اداب کرکے کنائی کاٹ گیا۔ مگر ہمارے قناعت پسند اور متوکل منشی نے اسکی ذرا بھی پرواہ نکی۔ کوکل سے بدشگونیونکی بھرمار تھی۔ قصائی کے لگائے ہوئے چرکے اُسی طرح دل پر موجود تھے جنھین چھٹکی کبڑن نے اپنی صلواتون سے اور بھی ہرا کر دیا تھا۔

منشی جی کو وہ ناکامیابی بھی یاد تھی جو حال ہی مین ایک جاہل مختار کے مقابلے مین حاصل ہوئی تھی منشی جی کا مقدمہ بہت درست تھا شہادتین بھی خوب گذر چکی تھین۔ سننے والون کو یقین کامل تھا کہ معمول کے خلاف منشی لطیف احمد کا موکل کامیاب ہو جائیگا۔ مگر سہو کے اتفاق کہیے یا ڈپٹی کلکٹر کی ناسمجھی۔ کہ منشی لطیف احمد کی مدلل بحث سُنتے ہی رنگ بدل گیا۔ اور مخالف فریق کو ڈگری ملگئی!

اس ناکامی سے حاسدوں کی خوب بن آئی اُنھوں نے منشی لطیف احمد کو بدنام کرنا شروع کر دیا! خلق خدا تو بھڑیا دھسان ہی، جدھر ایک کا رُخ ہو گیا، سب آنکھیں بند کیئے اُدھر ہی ہو لیتے ہیں! سنڈیلہ کے ناتجربہ کار سندے اس وحید روزگار شخص سے بدظن ہو گئے! لیکن لطیف احمد جانتے تھے، کہ یہ حاسدانہ کارروائیاں میری شہرت میں ذرّی بھر فرق نہیں ڈال سکتیں، آج سنڈیلے میں میرا مقابل کون ہو؟ جسکا چراغ جلے گا۔ کیا وہ مکھدیال کالیتھ میرے ہوتے فروغ پا سکتا ہے؟ اجی توبہ لاحول ولا قوۃ اُسکی بھی یہ طاقت ہو کہ میرے سامنے زبان ہلائے؟ دو جملوں میں تو بند ہو جائیگا۔ یہ بھی ہوا کا جھونکا ہے۔ کہ آیا، اور نکل گیا، رہتا پانی رہجائیگا، اور بہتا بہ جائیگا۔ سنڈیلے کی عدالت میں جبتک منشی لطیف احمد موجود ہیں کسی کو عروج نہیں ہو سکتا، یہ خیالات تھے جو منشی لطیف احمد کے قلب و دماغ میں بھرے ہوئے تھے، اور وہ بڑے بڑے ڈگ رکھتے ہوئے اپنی ہٹیٹ رفتار سے عدالت کیطرف بڑھ رہے تھے۔

انھیں اپنی قابلیت علمی، اور قانون دانی پر ناز تھا، اور بجا ناز تھا، علم تو سینہ بسینہ باپ دادوں سے پایا تھا چھٹنے میں مہینا دو مہینے معلم کے سامنے بیٹھنا پڑا لیکن ایسے ذہین و طباع کو کسب کی ضرورت ہی کیا تھی؟ منشی جی بھی عالم و فاضل تھے۔ مشکل سے قانون کی دو کتابیں دیکھی ہونگی، مگر تجربے نے اتنا بڑا قانون دان بنا دیا تھا، کہ وضعین قانون بھی منشی جی کا نام سُن کر کان پکڑ لیتے تھے۔

منشی جی مقررہ وقت پر عدالت پہونچ گئے۔ اور اپنی شکستہ حال چوکی پر وہی پرانا دری کا چیتھڑا بچھا کر بیٹھ گئے جو اور مال و اسباب کے ساتھ نسلاً بعد نسل ودیعت ہوتا آیا تھا۔

خدا نکردہ منشی جی ایسے گئے گذرے نہ تھے کہ دو روپیہ کی نئی دری نہ خرید سکتے! مگر انھوں نے اُس متبرک (دری کے ٹکڑے) باعث برکت سمجھکر جان سے لگا رکھا تھا۔

کچہری میں حاکم آ گئے۔ مقدمات شروع ہوئے۔ چپراسیوں نے مدعی اور مدعا علیہ کے نام لے لیکر پکارنا شروع کر دیا جس قدر بھی مختار پیشہ صحن عدالت میں موجود تھے۔ اپنے اپنے موکلوں میں کام کی باتوں میں مشغول تھے، اور ساری کچہری بھر میں ایک لطیف احمد ہی ایسے تھے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ اُنھیں قصبے کے بیوقوف پر رہ رہ کر افسوس ہوتا تھا۔ کہ ایک آزمودہ کار مختار کو چھوڑ کر ناتجربے کاروں کے پاس گئے تھے، اور انکا افسوس کرنا حق بجانب تھا اُسوقت سنڈیلہ تو سنڈیلہ۔ سارے ہندوستان میں بھی منشی لطیف احمد کی مثال مشکل سے مل سکتی تھی۔

اُنھوں نے خالی بیٹھے بیٹھے کئی بار دل ہی دل میں افسوس کیا تھا کہ میں نے خواہ مخواہ اس جگہ اپنی زندگی برباد کی جہاں کوئی قدر کرنیوالا نہیں، اگر اتنا دماغ کسی ایسے مقام پر صرف کیا جاتا جہاں سمجھدار دں کی بستی ہوتی! تو لوگ

بجھے پوچنے لگتے! دروازے پر پرانے خیال کے مطابق ہاتھی جھومتے ہوتے۔

منشی جی مین جہان اور جہان بھر کی خوبیان بھری ہوئی تھین وہان وطن پرستی کی قابل ستائش روح بھی پھکی ہوئی تھی اسمین شک نہین کہ وہ اگر کسی چلے جاتے تو وہان کے سنجیدہ فہمیدہ انھین سر پر بٹھاتے یا آنکھون مین جگہ دیتے! لیکن منشی لطیف احمد کی حمیت نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن کے ہوتے کسی دوسرے خطہ مین سکونت پذیر ہوکر وہانکے باشندونکو اپنی وسیع معلومات اور زرین راؤن سے فیضیاب کرین برا ہو یا بھلا۔ لیکن وہ اپنے وطن، اپنے جنم بھوم کو ہی پسند کرتے تھے، وہ کوشش کرتے تھے کہ جسقدر بھی فائدہ پہونچایا جاسکے۔ اپنے ہی ہموطنون کو پہونچایا جائے وہ اج اپنے ہموطنون کی بیوفائی سے بھی شکستہ خاطر نہ ہوے! تمام قصبے نے اُن سے طوطا چشمی اختیار کی، لیکن اُنھون نے مروت توڑنا گوارا نکیا۔ اُنمین صبر و استقلال کی اعلی صفت کافی مقدار مین موجود تھی۔

دن بھر مین کئی مرتبہ اُنھون نے اپنے ہم پیشہ لوگونکے پاس جاکر اُنھین اُنکی غلطیون اور غلطیون سے خبردار کیا، مگر اُنکے سر پر تو خود رائی کا بھوت سوار تھا، اُنھون نے منشی لطیف احمد کے قابل عمل مشورون اور مفید اصلاحون پر بغیر سوچے سمجھے عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا اُنکے زعم ناقص مین یہ مشورے۔ یہ اصلاحین ناقابل عمل تھین

تاہم ضرور کہین گے کہ منشی لطیف احمد کی خلاف ورزی کرنے والونمین اگر کوئی کامیاب ہوا تو اُسکی خوش قسمتی اور حاکم وقت کی بے عقلی کی دلیل تھی۔ اور جو لوگ ناکام رہے اُنکا ناکام رہنا ضروری و لازمی تھا! یہ سب کچھ تھا مگر منشی لطیف احمد سنگ میل کیطرح اپنی چوکی پر گڑے رہے۔ لوگ آئے اور چلے گئے۔ مقدمات شروع ہوئے اور ختم ہوگئے جسکی تقدیر کا جو تھا۔ پالیا۔ مگر منشی لطیف احمد کو ذرا بھی تغیر نہوا۔ وہ کبھی قلم کان پر رکھکر پرانے کاغذات دیکھنے لگتے اور کبھی کسی سادے کاغذ پر عرضی کا مضمون یا کسی سوال کا مسودہ لکھنے لگتے۔

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے تیسرا پہر ہوا۔ آفتاب نے برگد کی گھنیری شاخون۔ اور کاہی پتون سے اپنی شعاعین سمیٹنا شروع کین، حاکمون نے اجلاس برخواست کرکے اپنے گھرونکی راہ لی۔ پیشکار جیسے اسی نقل نویس۔ اپنا اپنا کام ختم کرکے باہر نکلے۔ عدالت کے دروازے بند ہوے۔ منشی لطیف احمد بھی دل گرفتگی کے ساتھ بستر اٹیچی قلمدان بند کرکے اور بستہ بغل مین دبا کر اُٹھے۔

روز کی طرح آج بھی ایک جھبھی کوڑی کی آمدنی نہین ہوئی۔ مزاج افسردہ۔ اور دل اداس تھا کچہری سے گھر تک آنا کٹھن ہوگیا۔ بیوی الگ بک بک کرجان کھائینگے۔ صاحبزادے جدا پیسہ

مانگیں گے، سب سے زیادہ اپنے پیٹ کا خیال تھا۔ کھائینگے نہیں تو کمائینگے کیا؟ بدن میں زور، ہاتھ پاؤں میں طاقت زور ہونا چاہیئے دن ایسے منحوس آ گئے تھے کہ کچہری کی آمدنی بالکل ہی مر گئی۔ مگر خدا تو بڑا مسبب الاسباب ہے، اُسنے دوسرا دروازہ کھولدیا۔ قرب وجوار کے دیہاتی قلیل پونجی والے بیوہ اور شوہر دار عورتیں اپنی گاڑھی کمائی امانتاً رکھوادیا کرتی تھیں! اور وہ مال منشی جی کو شیرِ مادر ہو جاتا!۔

منشی لطیف احمد نیکر اور اُسکا نیم پختہ مکان بنک تھا! جہاں روزانہ ایک نئے ایک قسم کی امانت آجایا کرتی اور وہ اُسے رکھکر ایسا بھولتے کہ دنیا کی کوئی قوت اُنھیں یاد نہ دلا سکتی! یہ آمدنی ایسی معقول تھی کہ منشی جی معہ زن فرزند بفراغت واطمینان، خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

چھٹے وقت منشی جی گھر پہنچے، چاہیئے تو یہ تھا کہ اسوقت تھوڑا آرام ملتا۔ دن بھر کی تھکن لیٹ پوٹ کر مٹائی جاتی، لیکن کمبخت خانگی جھگڑے بکھیڑے کہاں دم لینے دیتے ہیں۔ صورت دیکھتے ہی بیوی نے تنک کر کہا۔

بیوی۔ تم تو ایسا جاتے ہو کہ پھر پہر رتے ہی نہیں سارا کام پڑا ہے، کوئی انتا بھی نہیں جو سودا سلف لادے!

منشی۔ خیر تا کہاں گیا۔

یہ خیر تا ایک دوازدہ سالہ لڑکا منشی لطیف احمد نے گھر کا کام کاج کرنے کو رکھ لیا تھا برائے نام آٹھ آنے مہینا اور روٹی کپڑا الگ سے طے ہوا تھا۔ مگر منشی جی نے اپنی خوش معاملگی سے ایکسال تک آیندہ کے وعدہ پر تنخواہ کو ٹالا۔ بیوی نے گت کا کھانا بھی نہ دیا ہمیشہ غریب کو باسی ٹکڑوں پر بسر کرنا پڑا اُسپر غضب یہ کہ منشی صاحب کے نیک نہاد صاحبزادے کی پٹے بازی نے بیچارے کو نیم جان کر رکھا تھا۔ روز روز کی تکلیف اور مار دھاڑ سے تنگ آکر ایکروز بھاگ گیا۔

بیوی۔ وہ تو کئی روز ہوئے بھاگ گیا، خوب ہوا مجھے نگوڑے سے قطعی نفرت تھی، کھانے کو ڈھائی سیر اور کام سے عاری۔

منشی۔ خلیل کہاں رہتا ہے؟

خلیل احمد۔ منشی لطیف احمد کے اکلوتے فرزند تھے۔ ابھی گیارہ بارہ برس سے زیادہ عمر نہ تھی مگر ذہانت و ذکاوت میں منشی لطیف احمد سے بھی دس پانچ قدم آگے تھے! ہاں ذرا شوخ تو تھے! مگر کون بچہ شریر نہیں ہوتا؟ سن ہی شرارت کا ہے۔ یہ پڑوسیوں کی حماقت تھی جو وہ خلیل کی پیاری اداؤں کو شرارت و بیہودگی پر محمول کرتے تھے۔ اور اُسکی شکایتیں کر کر کے لطیف احمد کا دل چھید ڈالا تھا! مگر خدا کے فضل سے منشی جی بیوقوف نہ تھے، وہ سمجھتے تھے، کہ اولاد پر کب اور کسوقت خفا ہونا چاہیئے، اور کب کب تنبیہ کرنا مناسب، وہ

خواہ مخواہ ڈانٹ ڈپٹ کر لڑکے کے بڑھتے ہوئے ولولوں کو دبانا نہیں چاہتے تھے!
بیوی۔ اُس کا کہیں پتہ لگتا ہے! ادھر تم گئے اور اُدھر وہ گیا، جب بھوک لگتی ہے تو کھانا کھانے چلا آتا ہے (طرفدارانہ انداز سے) ابھی وہ بالکل ہی بچہ ہے چیز بست لانا کیا جانے!
یہ ایسی دلیل تھی جسکے سامنے ہمارے منشی جی کو سر تسلیم خم کا دینا پڑا! اب وہ لاجواب تھے، اور اُنکے پاس اسکے سوا کوئی تدبیر نہ تھی، کہ بیوی جو کچھ منگوائیں چپکے سے لا دیجائے!

(۳)

رحیمن

قصبہ سندیلہ مین رحیمن نامے ایک عورت رہا کرتی تھی، جسکا شوہر محکمہ پولیس مین چالیس سال کام کر چکا تھا، اور آخر مین پنشن لیکر آرام و اطمینان سے بیٹھکر زندگی بسر کرتا تھا، رحیمن کے اولاد مین تو بہت سی ہوئین مگر زندہ کوئی نہ رہی کچھ تو بچھوٹے چھوٹے سن مین داغ مفارقت دیگئین اور دو ایک جوان ہوئین مگر والدین کے سامنے چل بسین۔
اب رحیمن تنہا رہ گئی تھی یکسال ہوا، اُسکا شوہر بیمار مین مبتلا ہو کر قضا کر گیا، وہ نہایت کفایت شعار اور سادہ روش آدمی تھا، اسکا معمول تھا ہمیشہ آمدنی کی تھوڑی رقم بچا لیا کرتا۔ وہ رقم جمع ہوتے ہوتے کئی ہزار کی تعداد مین ہو گئی تھی۔
رحیمن نے کچھ تو اپنی تنہائی اور بیوگی اور کچھ رفتار زمانہ سے ڈر کر وہ سب کی، سب رقم کسی کے پاس امانت رکھنا مناسب خیال کیا جب متعارفین مین امین کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے بنظر انتخاب تلاش جاری کی تو سب سے پہلے ہمارے منشی لطیف احمد نظر آئے، اُنکی خوش نیتی اور صفائی اظہر من الشمس تھی، سارے قصبے مین کوئی دوسرا نہ تھا جو منشی جی کے پاسنگ بھی اُترتا! اگر ایک بیوہ نے انھین منتخب کیا تو اسے کیا الزام دیا جا سکتا ہے؟
جب وہ ہزار روپیہ کی تھیلی لیکر منشی جی کے در دولت پر حاضر ہوئی ہو۔ اُسوقت کی خوشی کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا، گویا وہ اپنی قلعہ مین محفوظ ہو گئی! اب اُسکے روپیہ پر بدنیتی کی نگاہین ڈال سکتے یا اس نے اپنی زندگی و موت کا انتظام یسے ہاتھ مین سونپ دیا۔ جو ساری دنیا سے قوی اور متدین ہے!
خدا نکردہ منشی جی بے اعتبارے نہ تھے جو لکھا پڑھی، گواہی، شاہدی کی ضرورت پیش آتی، اور خصوصاً رحیمن تو اُنکی جانب سے بدگمان ہونیکو گناہ کبیرہ خیال کرتی تھی!!!

سب کام نہایت سہولیت سے طے ہو گئے۔ منشی جی نے رحیمن کے سر پر احسان کا چھپر لاد کر اسکی امانت کو اپنی حفاظت میں رکھنا قبول کر لیا، اور یوں ایکہزار کی رقم آسانی سے حقدار تک پہونچ گئی!

اُدھر تو رحیمن کو خدشات سے فراغت ملی، ادھر منشی جی کو کچھ دنوں کا سہارا ہوا۔ رحیمن خود ایک چست عورت تھی قصبے کے متمول گھرانوں میں کام کاج کر کے اپنا پیٹ پالتی اور اس ایکہزار کی پونجی کو مرنے جینے کیلئے محفوظ رکھتی کبھی کبھی ضرورت سے مجبور ہو کر منشی لطیف احمد کو بھی تکلیف دیتی، اور اپنی مفوضہ رقم میں سے تھوڑا بہت لے لیا کرتی۔

دو سال تک برابر منشی لطیف احمد اپنا فرض نہایت خوش معاملگی اور نیک نیتی سے ادا کرتے رہے انھیں خیال تھا کہ پنجاہ سالہ عورت بہت جلد ہستی کی قید سے آزاد ہو کر مجھے امانت کے ماحفاظت سے سبکدوش کر دیگی! لیکن انکا یہ خیال محض خیال ہی رہا۔ رحیمن باوجود پیرانہ سالی اور خستہ حالی کے بھی مرنے سے کچھ ایسی متنفر ہوئی کہ مرنا تو درکنار زیادہ سونے کو بھی پسند نہ کرتی تھی۔

زمانہ منشی جی کے خلاف چل رہا تھا تنگ ظرف اور شریر النفس قصباتی اس معزز و ممتاز گھرانے کے عالیمرتبت منبر کے خلاف شور شین پھیلا رہے تھے! روزانہ اس ذات مجموعہ صفات پر حملے کرتے رہتے تھے مگر منشی جی بھی عجب فرشتہ خصلت واقع ہوئے تھے! وہ اُن نامنوشگوار باتوں کا ذرا بھی اثر نہ لیتے تھے۔ انھیں اپنے کام سے کام تھا، اگر دُنیا بُرا کہہ رہی تھی تو انھیں کیا؟ خود کہنے والوں کی زبانیں خراب ہوتی تھیں! بھلا آدمی بُرا کہنے سے بُرا نہیں ہو سکتا پھر منشی لطیف احمد حاسدوں کی بدزبانیوں کا بُرا کیوں مانتے؟ خدا رازق العباد ہے۔ وہ پتھر کے کیڑے پتھر میں رزق پہونچاتا ہے منشی جی کی بھی کسی نہ کسی عنوان سے مدد کر ہی جایا کرتی تھی فی الحال انھیں اگر کچھ تشویش تھی تو یہی، کہ ابھی تک رحیمن زندہ تھی سُنتے ہیں کوّے آبِ حیات سے سیراب ہو چکے ہیں! انکی عمریں ہزار ہزار برس کی ہوتی ہیں! رحیمن تو ان کوؤں سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئی کمبخت مرنیکا نام ہی نہیں لیتی! دو، دو، چار، چار کر کے پورے تین سو روپے بے چکی اب باقی ہی کیا رہگیا صرف سات سو، وہ کے دن چلے گا؟ انھوں نے اپنے دل میں خیال کیا۔

"معلوم ہوتا ہے رحیمن توشۂ آخرت کیلئے ایک کوڑی بھی نہ چھوڑے گی! رفتہ رفتہ اپنا تمام سرمایہ" "وصول کر لے گی"

یہ خیال ایسا نہ تھا جو منشی لطیف احمد جیسے پاک طینت شخص کو اطمینان و سکون قلب سے بیٹھنے دیتا! وہ بہت ہی جز بز ہو کر گلو خلاصی کی تدبیریں سوچنے لگے۔

اگر انکا بس چلتا تو وہ زہر دینے میں بھی تامل نہ کرتے! اگر انگریزی زمانہ قانونکی سخت گیریاں، اور پھانسی کا

خوف ہی ایسا تھا جو ہر مرتبہ منشی جی کو اس یقینا ارادہ سے روکتا اور انکے جوش شجاعت کو دباتا رہتا تھا!
فکر، فکر بڑی بری چیز ہوتی ہے۔ یہ جسکے گلے کی حمائل ہو جاتی ہے، اسکی زندگی، زندگی نہیں رہتی، وہ دنیا کے کام سے اور دنیا اسکے کام سے بہت جلد آزاد ہو جاتی ہے۔ یہی تو فکر ہمارے منشی لطیف احمد کا کلیجہ کھائے جاتی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے فکر ہے، روٹی پر ہاتھ ہے، اور دل سے باتیں ہو رہی ہیں، پانچ پانچ منٹ گذر جاتے ہیں نوالہ نہیں بن چکتا، راستہ چل رہے ہیں، مگر خبر نہیں کہاں جانا چاہتے ہیں، اور کدھر قدم اٹھ گیا ہے! رات تو نکی نیند۔ آچٹ گئی ہے۔ ساری ساری رات کروٹیں بدلتے گذر جاتی ہے۔ پلنگ پر جب پڑے ہیں آنکھیں چھت سے لگی ہیں، اور دل سے مشورہ ہو رہا ہے۔ باتیں کرتے کرتے کھو جاتے ہیں!

آخر یہ حالت کیوں اور کس وجہ سے ہے؟ صرف اس لیے کہ رحیمن کا سات سو روپیہ خرچ کر ڈالا ہے اگر سچ پوچھئے تو کچھ برا نہیں کیا، کچھ حق حفاظت، کچھ حق ہونا ہی چاہیئے، پھر رحیمن کی آل اولاد بھی نہیں، بے والی وارث کا وارث سو منشی لطیف احمد کے کون ہو سکتا ہے؟ وہ بڑھیا ہی، قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے، اسے روپیہ کی کیا ضرورت؟ ادھر ادھر سے کھانے کو مل ہی جاتا ہے۔ رہا مرنا؟ اسکی فکر بیکار ہے! مسلمان کا مردہ پڑا نہیں رہ سکتا۔ سنڈیلہ مسلمانوں کی بستی ہے، کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ ترس کھا کر گور گڑھا کر ہی دیگا۔

الغرض ہر عنوان سے روپیہ اسکے لیے بیکار محض ہے پھر اگر منشی جی کے کام آگیا تو کیا گناہ ہوا، وہ اچھا تھا کہ رحیمن کے مرنے پر سرکار میں چلا جاتا؟ نہ کوئی فاتحہ کرتا نہ درود، منشی جی کم از کم اتنا تو ضرور ہی کرینگے کہ شب برات میں حلوے روٹی پر مرنوالی کی فاتیان (فاتحہ) دلوا کر کھا لینگے۔

مگر وہ لالچی عورت، اپنی خلقی جہالت سے کیونکر اس نکتہ تک پہونچ سکتی ہے؟ وہ تو اپنی کم عقلی سے منشی جی جیسے نفس قدسیہ پر خیانت کا الزام لگانیکو تیار ہو جائیگی۔ اسکی زبان درازیاں مخفی نہیں ذرا میں تو قصبے بھر کو سر پر اٹھا لیگی، کاش کوئی سمجھدار عورت ہوتی! جو ٹھنڈے پیٹوں منشی جی کی فاضلانہ تقریر سنتی، اسپر غور کرتی، اور اطمینان بخش جواب دیتی۔

انھیں امور پر غور کر کے منشی لطیف احمد نے باقاعدہ حساب تیار کر لیا تھا جسمیں دکھایا تھا کہ رحیمن کی کوڑی کوڑی بیباق ہی کل رقمیں تاریخ وار شرح و بسط سے تحریر تھیں، فرد حساب ایسی صاف بنی تھی کہ کسی شک و شبہہ کی گنجائش ہی نہ تھی! ہر ذیعقل و ذیہوش اسے دیکھکر منشی جی کے متدین ہونیکا اعتراف کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔

یہ سب انتظام کر لیا گیا تھا اور اب اُنھین محل و موقع کا انتظار تھا، اصل مین یہ فکر کرتے کرتے تنگ ہو گئے تھے اور اب جلد سے جلد معاملہ صاف کر لینا طے کر چکے تھے۔ اُنھون نے اپنی خانگی تین آدمیون کی کونسل (خود، بیوی، بچہ) مین اپنی رائے کا اظہار کر کے اس مسئلہ کو صاف کر لیا تھا، اور جب بیوی اور صاحبزادے کو بھی اپنا ہمخیال پا لیا تو آمادہ ہو گئے کہ ایک روز رحیمن کو بلا کر سب حساب سمجھا دیا جائے کہ آیندہ کے لیئے معاملہ صاف ہو جائے اور درمیانین کوئی گنجلک باقی نہ رہے۔

رائے پاس ہو گئی تو رحیمن کا پتہ نہین، اور اتفاق کی بات جب منشی لطیف احمد گھر مین ہوتے، تو رحیمن نہ آتی اور جب وہ آتی تو منشی جی باہر ہوتے۔

ایک مہینے تک یون ٹلتا رہا آخر ایک روز سامنا ہو ہی گیا۔ آج منشی جی پہلے سے زیادہ اخلاق سے پیش آئے، بیوی نے بھی بلا کر پاس بٹھا لیا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر تھا، کہ میان خلیل جو دل آزاری کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے، اُنھون نے بھی پاس آ کر ادب سے سلام کیا۔

رحیمن اس تغیر کا مطلب نہ سمجھ سکی، اور سمجھتی بھی تو کیونکر یہ شریفانہ چالین تھین، بھلا اُسکی جہالت ان نکات کی تہ تک کیونکر پہونچ سکتی تھی؟

لطیف احمد پہلے تو ادھر اُدھر کی باتین بنا یا کیے اور اُنکی فرمانبردار بیوی، ہان مین ہان ملاتی رہین، جب رخصت ہونے لگی تو منشی جی بولے۔

منشی۔ رحیمن تمھاری امانت کو بہت روز ہو گئے ہین، موت، زندگی کا اعتبار نہین، اجل سر پر کھڑی ہے معلوم نہین اسوقت کیا ہے۔ اور کل کیا ہو گا، اس لیے مین چاہتا ہون کہ اپنا حساب صاف کر لو۔ جو تمھارا ہے تم لو اور جو میرا نکلے مجھے دو۔

بیوقوف رحیمن اب بھی منشی جی کا مطلب نہ سمجھی، اُس نے ایسی نظرون سے منشی جی کو دیکھا جنمین ارادت و عقیدت ٹکوٹ کے بھری تھی، اور پھر بولی۔

رحیمن۔ منشی جی ایسی جلدی ہی کیا ہے، میرا روپیہ آپ کھائے تو جاتے نہین ہین، جو حساب صاف کر لیا جائے۔ پھر کبھی دیکھا جائیگا۔

منشی۔ نہین رحیمن آجکل زمانہ بہت خراب ہے۔ فوراً ذرا مین بے ایمانی، خیانت اور غبن کے الزامات لگا دیتے ہین۔ مین نے تمھارا کوڑی کوڑی کا حساب لکھا تھا، اور فرصت کے اوقات مین بھی کرتا جاتا تھا۔ صاف تیار ہو گیا ہے۔

رحیمن۔ کچھ یاد کر کے، اچھا میان مجھے اسوقت حساب سمجھنے کی فرصت نہین ہے پھر کسی وقت آؤنگی، مگر آپ

دس روپیہ علی الحساب دیدیجئے تو بڑا کام چلے، مین ایک جگہ وعدہ کر آئی ہون کہ شام تک روپیہ لا دونگی۔

منشی۔ تعجب ہے۔ کیا تم مجھ سے قرض مانگتی ہو۔

رحیمن۔ گھبراکر۔ نہین مین تو اپنے روپیون سے مانگتی ہون۔

منشی۔ تمھارا روپیہ اب کیسا؟ اسی لیے تو کہتا ہون کہ اپنا حساب پڑھوا کر سن لو۔

(۴)

پنچایت

اب تو رحیمن کے کان کھڑے ہوئے، اور آنکھین کھلین وہ تمھارا روپیہ کیسا، لفظین نہ تھین تیر و تفنگ تھے جنھون نے غریب بیوہ کے قلب و جگر کو چھید ڈالا۔ کہا دُنیا مین ایسے ایسے امین و متدین آدمی بھی خائن و غاصب ہو سکتے ہین؟ کیا زمانہ سے ایمانداری اُٹھ گئی؟

یہ خیالات تھے جو رحیمن کے دلمین یکے بعد دیگر، جلد جلد اُٹھے اور نکل گئے۔ وہ بہت دیر تک سکتے کے عالم مین ساکت و صامت کھڑی رہی۔ اُسکی آنکھین، حیرت آفرین آنکھین، لطیف احمد کے چہرے پر لگی ہوئی تھین، ایک رنگ آتا تھا۔ اور ایک رنگ جاتا تھا۔ جب ہوش درست اور حواس بجا ہوئے تو اُس نے زبان ہلائی، اور یہ الفاظ ہوا مین گونجتے سُنائی دیے۔

رحیمن۔ منشی جی آپ ابھی میرا حساب کر دیجئے۔

وہان عذر ہی کیا تھا۔ فرد حساب تو پہلے ہی تیار کر لی گئی تھی، ایک ایک مد پر خانگی کونسل نے بحث کر کے صاف کر لیا تھا۔ بیوی جھپیٹ کے کمرے سے بھی اُٹھا لائین۔ منشی جی نے جزودان کھول کر فرد نکالی! اور پائی پائی کا حساب سمجھا دیا گیا! لائق و فائق صاحبزادے نے تشریح کر کے جاہل و کم فہم رحیمن کے ذہن نشین کرا دیا!

امانت مین ایک حبّہ بھی باقی نہین، اسے باور کرنے مین رحیمن کو تامل تھا۔ اگر منشی لطیف احمد نے کاغذ حساب لکھا تھا تو رحیمن کے دل پر پائی پائی ثبت تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ کب، کس قدر رقم لی گئی ہے، اور کب کتنی رقم لی گئی ہے۔ ابھی پورا سات سو روپیہ منشی جی کے ذمے بدامانت باقی ہے۔ یہ تو صریح بد دیانتی ہے! کیا منشی جی میرا سات سو روپیہ ہضم کرنا چاہتے ہین؟ مگر مین تو کوڑی کوڑی، اور پیسہ پیسہ وصول کر لونگی۔ اگر انھون نے دینے مین انکار کیا تو اپنی اور اُنکی جان ایک کر دونگی۔

اُس نے اُس سخت کیری کے ساتھ جو بڑھاپے سے متعلق ہے منشی لطیف احمد کا ہاتھ پکڑا، اور غرا

مچا مچا کر بکنا جھکنا اور فریاد کرنا شروع کی۔
ضعیفونکی آواز اور پڑاقونکی صدا ایک سی ہی جس سے بچے تو مرعوب ہو جایا کرتے ہین مگر نتیجہ کچھ نہین نکلتا اُسیطرح غریب رحیمن کی آہ وزاری کا بھی کچھ اثر نہوا، لطیف احمد اور اُنکی قابل جورو معہ ہونہار فرزند کے ابتک اپنی بات پر اڑے رہے، اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا، انھین خوف ہی کیا تھا؟ فرد حساب بالکل صاف تھی جسمین ہر مد صافی سے درج تھی، عدالت کا خوف بیکار تھا، اس میدان مین منشی جی کا مقابلہ ایسا تھا جیسے پانی مین مگرمچھ سے لڑنا، وہ عدالت کے بادشاہ تھے۔ اُنکی اعلیٰ قانون دانی کا رعب حکام کے دلونپر چھایا ہوا تھا۔ چھوٹونکا کیا ذکر ہے؟ اس معرکے مین اُنکے سامنے بڑون بڑونکے قدم اُکھڑ جایا کرتے تھے! بھلا ایک بے یار و مددگار عورت عدالت مین ایسے یگانہ و فرزانہ کے مقابلے مین جانیکی جرأت کیونکر کر سکتی تھی پھر لکھا نہ پڑھی، گواہ نہ شاہد، جتنے ثبوت ہونا چاہیئے، سب عنقا، مقدمہ چلانے کی کوئی صورت نہین اگر ہوتی بھی، تو کیا کر سکتی تھی؟ اُسکی گرہ مین جھنجھی کوڑی نہ تھی، اسٹامپ کہان سے خریدتی؟ کاغذ کیونکر لگاتی؟
اس طرف سے تو قطعی مایوسی تھی۔ ہان اگر کچھ امید تھی تو ذات برادری والون سے، پنچایت بیٹھکر اسکے موافق فیصلہ کر سکتی تھی۔ دیہات مین قومی مجلسون کا اثر عام ہے۔ جیل مین رامبانس کوٹنے کی تکلیف اس ذلت و خواری کا مقابلہ نہین کر سکتی جو حقہ پانی بند ہو جانے سے اُٹھانا پڑتی ہی۔ اور یہ کام مشکل بھی نہین نہ تو سرکاری عدالتونکی طرح یہان اسٹامپ لگانے کی ضرورت، نہ چپراسی۔ محرر پیشکار اور وکلاء کی خوشامد و دربارداری سے کام، جہان روحانی اور جسمانی مصائب کے ساتھ جیبین خالی کر دینا پڑتی ہین۔
اب اگر لے دیکے رحیمن کو سہارا رہگیا تھا، تو سہارا پنچونکا تھا جنکی حق پسندی، اور انصاف شعاری کی ترازو غریب امیر، چھوٹے، بڑے، ذلیل، جلیل، کو برابر تولتی ہی۔ نہ کسی کی خصوصیت دیکھتی ہے نہ کسی کی امتیازی مراتب کا لحاظ کرتی ہے ع

انصاف شیوہ ایست کہ بالائے طاعتست

کے مقولے پر عمل کرنا اُسکی طبعی عادت ہے۔
رحیمن بدحواسی و اضطرار کے عالم مین لال۔ لال۔ خون کبوتر آنکھون سے شیطان سیرت منشی کو گھورتی ہوئی گھر سے نکلی۔ اسکے دل مین پنکھے لگے ہوئے تھے، اگرچہ اُسکی زبان اُسکے دہن مین متحرک نہ تھی، مگر گوشۂ دل سے فریاد کا ایک شور بلند تھا۔ وہ شور ایسا نہ تھا جسے دنیا دار سُن سکتے، بلکہ ان فریادون کا سننے والا کوئی اور ہی تھا۔ وہ۔ وہ تھا جسکی بادشاہی، دنیا کے تمام بادشاہونپر تسلط تھی، جسکی قوت و طاقت فنا ہونیوالی تمام طاقتون سے بالاتر تھی، ہان وہ وہی تھا جو مظلومون، بیکسون اور کمزورون کا ممد و مدد رہے

اس کا انتقام سخت اور دیرپا ہے، اُسکی لاٹھی مین آواز نہین ہوتی۔ اُس نے مظلوم کی آواز سُنی اور اُسپر لبیک کہا،
رحیمن نے گاؤنکی پھیری لگاکے گھر گھر منشی لطیف احمد کی بددیانتی اور بے ایمانی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا
خبر پھیلی جسطرح مزبلے کی تعفن قرب وجوار کے رہنے والونکا دماغ پراگندہ کر دیتی ہی، اس عجیب خبر نے قصباتیونکو
برانگیختہ کر دیا تنک ظرفونکی بن آئی، حاسدون نے خوب خوب دلکا بخار نکالا۔ بدزبانون نے زور بیان دکھایا
شورش پسندون نے منشی لطیف احمد کے خلاف شورشین پھیلا کر، اُنکے پاک وصاف دامن کو بے ایمانی کے داغون سے
تختۂ چمن بنانا چاہا! لیکن لطیف احمد خبر تک نہ ہوئے۔ اُنھین اپنی نیک نیتی فرد حساب کی صفائی پر بھروسہ تھا
استغاثہ جھوٹا ہو یا سچا۔ پنچونکا فرض ہی، کہ مستغیث کی فریاد سُنین۔ پنچایت کا دن مقرر کرین، اور ایک
جگہ جمع ہو کر انصاف کر دین۔

رحیمن کی پریشان کن فریادین گھرونمین گونج رہی تھین، رقیق القلب لوگونکو راتونکا سونا حرام تھا سنڈیلہ
مین کوئی گھر ایسا نہ تھا، جہان فرصت کے وقتونمین یہ دلچسپ فسانہ دھرایا نہ جاتا ہو، ہندو ہون، یا مسلمان
چھوٹے ہون، یا بڑے، سب کو یکسان اس معاملے سے دلچسپی تھی، مختلف مزاج اور مختلف رائین تھین، بعض
منشی کے خلاف تھے، اور اپنی کج فہمی سے اُنکے دامن کو گرد خیانت سے آلودہ سمجھ رہے تھے بہت لوگ رحیمن کو فریبی و
مکار خیال کرتے تھے، لیکن اُنکے پاس رحیمن کی اثر پاش فریادون اور بیقرار کن گریہ وزاری کا جواب نہ تھا مظلومیت
کے رنگ مین رنگے ہوئے آنسو جب رخسارونکی ابھری ہوئی ہڈیون سے ڈھلک ڈھلک کر دامن پر گرتے تھے
تو منشی لطیف احمد کے طرفدار بھی اُسکے درد دل کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے!

رحیمن نے اُسوقت تک دم نہ لیا جبتک پنچون سے پنچایت کی تاریخ نہ مقرر کرالی، جب دن مقرر ہو چکا
اور گھرون مین نوید پھیر دیگئی تو اُسے گونہ اطمینان ہوا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہی، رحیمن کو ڈھارس تو
ہوئی لیکن دل بیتاب تھا۔ امید وبیم نے اُسے بدحواس کر رکھا تھا، تذبذب کی حالت مین دن بسر ہونے لگے
منشی لطیف احمد کی پنچایت کسی معمولی آدمی کی پنچایت نہ تھی! جسے صرف سنڈیلے کے چند پنچ بیٹھکر انجام دیسکتے
منشی جی خاندانی ہونے کے علاوہ بذات خود۔ حکام رس، ذی مرتبہ اور شرفا۔ قصبہ مین ممتاز درجہ رکھنے والے
تھے، اس کام کے لیے قریب قریب کے دیہات اور قصبات سے پنچونکا آنا ضروری ولازمی امر تھا، اور باہر سے آنے والونکے
لیے کچھ دن درکار تھے۔

منشی لطیف احمد اول تو اس پنچایت کو کسر شان سمجھتے تھے (اور یہ حق بجانب تھا) لیکن برادری کے
اصرار سے بجبر واکراہ منظور کرنا پڑا، اُنھین خوف ہی کیا تھا؟ جب کر نہین تو ڈر کیسا؟ جسطرح انھون نے
گھر مین بیٹھکر جورو فرزند کے سامنے بدلائل وبرہان رحیمن کو حساب سمجھا دیا تھا، اُسی طرح پنچون کے سامنے بھی

صفائی اور تشریح سے بیان کر سکتے تھے، اُنکی زبان مجمع مین رُکنے والی بھی نہ تھی! خدا کے فضل و کرم سے عدالت کے بھرے ہوئے ہال مین بخشین کرنیکا دعویٰ رکھتے تھے! انھین ضرورت بھی تھی کہ اس کیک الزام کے بار کو اپنے سر سے اُتار پھینکین جو ایک ذلیل اور مخبوط الحواس عورت نے لگا رکھا تھا، انکی دانائی مین شک نہین کہ اُنھون نے پنچایت مین جانا منظور کر لیا، کوئی دوسرا ہوتا تو کچھ دے دلا کر رحیمن کو اس ناپاک ارادے سے روکنے کی ضرور کوشش کرتا، مگر اُنکی گستاخی ہی کی سزا وار تھی کہ ایک کوڑی نہ دیجائے، اور بتا دیا جائے کہ شریفون کے مُنھ آنے مین سوا ذلت اور رسوائی، ناکامی و نامرادی کے کچھ حاصل نہین ہوتا!

خدا خدا کر کے پنچایت کا دن آیا، بزرگ صورت و نیک سیرت پنچ ایک وسیع احاطے مین فرش بچھایا گیا اور مقررہ وقت پر بیرونی و مقامی بھائی براجمان ہوئے۔ روبکاری شروع ہوئی، مدعی و مدعا علیہ سامنے طلب ہوئے اُسوقت کا شور و غل بھی قابل لحاظ تھا، ہر شخص بغیر کسی تخیل کے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا! ایک دوسرے کی آواز پر غلبہ حاصل کرنے کا کوشان تھا، اس غل شور پر بحکمی چیخ دھاڑ اضافہ تھی! پہلے مدعی کا استغاثہ سنا گیا۔ رحیمن کو کہنا ہی کیا تھا؟ اُسنے رو رو اور چیخ چیخ کر، اسی سات سو روپیہ کا مطالبہ شروع کیا، جو کچھ زبانی حساب بادھا منصف مزاج پنچون کی حضور مین کہہ سُنایا۔ اُس کا بیان ختم ہی نہوتا تھا وہ ایک ایک سے رو رو، اور بلک بلک کر کہتی تھی،

"مین غریب ہون، بیوہ ہون، میرا سارا سو روپیہ منشی جی نے دیا لیا ہے، آپ لوگ مجھے دلوا دیجئے وہ روپیہ میری زندگی کا سہارا ہے، میرے آدمی (شوہر) کی زندگی بھر کی کمائی ہے، مین نے انھین (منشی لطیف احمد) شریف اور ایماندار سمجھ کے اپنی ساری پونجی سونپ دی تھی، ہائے، مین کیا جانتی تھی! کہ یہ مجھ دُکھیا، بیوہ کا روپیہ ہضم کر لینگے"

رحیمن برابر بڑبڑائے جاتی تھی، کبھی کبھی تو جوش مین آکر وہ منشی جی کی شان مین ایسی ایسی گلفشانیان کرتی کہ سُننے والے کانون پر ہاتھ رکھ لیتے، شاباش ہے منشی لطیف احمد کو جنھون نے انتہائے صبر و تحمل سے کام لیا وہ آداب دان تھے، پنچون کا رتبہ سمجھتے تھے، وہ اپنی مرحومہ سالیون کو خاموشی کے ساتھ سُنتے رہے۔

اب خود منشی جی کی باری تھی، وہ نیت اور معاملے کے صاف تھے بغیر کسی پس و پیش کے پنچون کے سامنے اپنی بریت کا ثبوت دینے کو آمادہ ہو گئے، اُنھون نے پوری متانت سے نرم اور میٹھے لہجہ مین کہا۔

"میرے معزز بھائیو۔ ماشاء اللہ آپ سب صاحب سنجیدہ و فہمیدہ، معاملہ فہم و نکتہ رس ہین، مین آپکے پہلو مین انصاف پسند دل، اور آپکی رگون مین شریف خون دوڑ رہا ہے، آپکی"

"دو آنکھیں بُرائی بھلائی کو دیکھنے والی اور آپکی عقلیں جھوٹ سچ کی گرہوں کو کھولنے والی ہیں"
"آپ سب لوگ ایماندار اور قصبہ کا سرمایۂ ناز ہیں، میں آپ سب صاحبوں کا خاکپا، اور"
"پروردہ ہوں، میرے اطوار و عادات، آپ کی باریک بین نگاہوں سے پوشیدہ"
"نہیں ہیں آپ صاحبان کے برکت، اور نیک سایہ میں پل کر چھوٹے سے بڑا ہوا ہوں"
"آپ لوگوں کے الطاف عنایات سے، محبت و شفقت سے، فیض و کرم سے، میرا رویاں"
"رویاں گرانبار منت ہے، میرے خون میں انھیں ذروں کا شائبہ ہے، جو کہ میرے اسلاف"
"میں پائے گئے تھے۔ کیا آپ حضرات خیال کرتے ہیں کہ میں نے اس غریب عورت کے"
"روپیہ ہضم کر لئے ہیں؟ کیا میں آپ لوگوں کی نگاہ میں خائن ہوں؟"

سب پنچ۔ یکزبان ہو کر" نہیں، نہیں، منشی لطیف احمد! ہم آپکو کبھی ملزم خیال نہیں کر سکتے، ساہوکار کیا ہیں؟ سات ہزار، اور سات لاکھ پر بھی آپکی نیت ڈانوان ڈول نہیں ہو سکتی۔

منشی لطیف احمد نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر حقیقت میں آپ سب انصاف پسند اور شریف الخیال لوگوں کا یہ گمان ہے، کہ میں نے"
"اس بیوہ کے روپیے دبا لیے تو میری زندگی پر تف ہے، مجھے فوراً ڈوب مرنا چاہیئے"
"اور ایسا ہی ہوگا، میں ایسا کمینہ نہیں جو خائن بنکر زندہ رہوں، میں دُنیا کے متمول"
"لوگوں کی طرح دولتمند نہیں، میرے گاؤں گراؤں نہیں، مگر شکر ہے کہ کسی کا محتاج بھی نہیں"
"ہوں، میں اپنا آروقہ اپنے قوت بازو اور قلم کے زور سے شرفا کی طرح پیدا کر کے کھاتا ہوں"
"اور رازق العباد کا شکر کرتا ہوں، میرے لیے دوسروں کی دولت حرام مطلق ہے، اگر قارون کا"
"خزانہ بھی سامنے موتو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھوں۔ کیا اس حالت میں، میں ایک بیکس عورت کا"
"مال ہتھیا لونگا۔

سب پنچوں نے پھر متفق ہو کر کہا۔

"نہیں، نہیں، ہم لوگ کبھی باور نہیں کر سکتے کہ آپ سا شریف آدمی ایسی ذلیل حرکت کریگا"
"یقیناً رحیمن کو دھوکا ہوا یا آپ پر کسی شریر کے اغوا سے بھتان لگایا ہے"۔

یہ معرکہ بھی ہمارے منشی لطیف احمد کے ہاتھ رہا، اُنکی خوش معاملگی پنچوں کے دلوں پر راسخ تھی، اور اب تو گویا ایمانداری اور راستبازی کا سارٹیفکٹ مل گیا۔

انصاف کی باگ ڈور پنچوں کے ہاتھ میں ہے، اُنھوں نے جو چاہا فیصلہ کر دیا! پنچایت ختم ہو گئی،

منصف مزاج نمایندے گھر دنکو روانہ ہوئے

رحیمن، بدنصیب رحیمن، دل سنبھالے۔ کلیجہ مسوسے، روتی کی روتی رہ گئی، ناامیدیوں نے اُسکی زبان اور انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ نے طبیعت مین جوش پیدا کردیا، اسکے پاس تیر و تفنگ، یا توپ، بندوق نہ تھی، جسکے ذریعہ سے منشی لطیف احمد کی زندگی (جسے وہ ناپاک شیطانی ہستی سمجھتی تھی) کا خاتمہ کرکے کلیجہ کی دہکتی ہوئی آگ بجھاتی۔ اسکے اصلح، اسکی چلتی ہوئی زبان، اور سانچہ دہن مین ڈھلکر نکلنے والے الفاظ تھے جنکے ذریعہ سے، اُسنے خوب خوب بھڑاس نکالی، اور منشی جی کے دل کو چاند ماری بنادیا۔

اُسے جو کہنا تھا کہا، جسقدر رونا تھا رودی۔ گرانتر کچھ بھی نہوا۔ منشی جی کے لطافت بیان نے پنچونکو بھی پرچالیا بیٹھی بولی مین جادو کا اثر ہوتا ہے۔ قصبے کے سرپنچ بھی مسحور ہوگئے، اب اگر بیکس عورت کو کوئی خیال تسکین دیسکتا تھا، تو یہ تھا،

"خیر یہان نہین ملا تو نہ سہی وہان تو مل ہی جائیگا"

(۵)

افراط غم

کبھی کبھی جھوٹ، صداقت پر غالب آجاتا ہے۔ گویا کاغذ کی ناؤ بہنے لگتی ہو۔ رحیمن کا مطالبہ صحیح تھا یا غلط؟ اسکا فیصلہ مشکل ہو۔ منشی لطیف احمد کی خوش نیتی دیکھتے ہوئے ہم کیا کہین؟ ہر شخص کہہ دیگا کہ رحیمن جھوٹی اور بالکل جھوٹی، اس کا رونا بناوٹی، اُس کا گڑگڑانا اور ہر کس و ناکس سے فریاد کرنا ڈھکوسلا ہے بشر بشریت سے مجبور ہے۔ اسکی آنکھین ظاہری اسباب کی بنا پر فیصلے صادر کردیا کرتی ہین، وہ اصلی وجوہ و علل سے کوسون دور رہتا ہو۔ اگر پنچون نے منشی لطیف احمد کا ظاہری لفافہ اور نمائش و جاہت دیکھکر رحیمن کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کردیا تو تعجب نہ ہونا چاہیے یہ نئی بات نہین ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ عدالت کا وسیع مکان جہان بڑی بڑی یونیورسٹیون کے سندیافتہ بیرسٹران، بال کی کھال نکالتے ہوتے ہین، جہان گواہون سے سوالات کی چاند ماری ہوتی ہو، وہان بھی خود ساختہ واقعات پیش پیش نظر آتے ہین!

ان وجوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے رحیمن کے خلاف فیصلہ ہوجانا انوکھی بات نہین۔ ہماری رائے مین اُسے صبر و شکر کرنا چاہیے۔ مگر ناسمجھ دکوتاہ فہم عورت۔ صبر و شکر کی لذت کیا جانے؟ اُسکے کلیجے مین تو آگ لگی ہوئی تھی نہ بیٹھے چین تھا نہ کھڑے قرار! دل مین درد، اور لبونپر نہ ختم ہونیوالی آہ و کا نا متناہی سلسلہ۔ پرنم آنکھون سے شعلے بھڑکتے ہوئے!

سنڈیلہ کا کوئی منصف ایسا نہ تھا جسکے سامنے رو رو کر رحیمن نے اپنی بپتا نہ بیان کی ہو! لیکن اسکے درد دل کا علاج ایک سے بھی نہوا۔ کلیجہ کا گھاؤ بڑھتا ہی گیا!

اب اُس کے پاس مال دُنیا سے ایک حبہ بھی نہ تھی۔ قصبہ کی رحمدل عورتوں کے ٹکڑوں پر بسر اوقات منحصر تھی۔ بعض کینہ پرور طبیعتوں نے اُسے اُبھار اُبھار کر عدالت کے دھال میں لا کھڑا کیا، مگر یہاں بھی نصیبوں کی کچی نہ گئی، اول تو زر علیہ السّلام کی کمی، دوسرے طبعی جہالت سے مفہوم کا خلط بسط ہونا، ان سب پر طُرّہ منشی لطیف احمد کی قانون دانی، کام بنتا تو کیونکر؟ اور رحمیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی تو کیسے؟ عدالت نے بھی بیچ بچاؤ کا فیصلہ بحال رکھا، حاسد اپنا سا مُنھ لیکر رہ گئے۔ رحمن کی گرہ میں جو دو چار روپیہ کا سرمایہ بچ رہا تھا وہ قانونی غازی مردوں کا دودھ ملیدا ہو گیا! اُس بیچاری پر تو وہی مثل صادق آئی کہ گھر پھونک تماشہ دیکھا!

منشی لطیف احمد کو خبر تک نہ ہوئی! وہاں وہی معمولی باتیں تھیں اور وہی فکر معاش! وہی عدالت کا صحن، اور شکستہ حال چوکی تھی اور برگد کے درخت کا سایہ! بھورے بھالے رنگ نامہ سے بے خبر قصباتی اب بھی منشی جی کے کلمہ گو تھے۔ اُنھیں کیا معلوم تھا کہ منشی صاحب نے اپنی خوش نیتی پر ایک بد نصیب بیوہ کا تمام سرمایہ زندگی کس خوبصورتی اور صفائی سے قربان کر دیا!

اُنھیں ضرورت کھینچ کر لاتی، اور منشی جی کے سامنے جُھکا دیتی۔ منشی لطیف احمد نادان نا سمجھ تھے جو اپنے عقیدت مندوں کو اچھوڑ دیتے! وہ شفقت ظاہری سے سر پر ہاتھ پھیرتے اور مٹھیاں گرم کرتے۔ انھیں غریب رحمن کی آہ کا خیال بھی نہ تھا! وہ بعض غیر مہذب لوگوں سے اُسکے متعلق کچھ سُنتے، مگر نہایت لاپروائی سے ٹال دیتے! اُنھیں کیا غرض پڑی تھی؟ جو فضول تشویش میں پڑ کر اپنا عیش و آرام حرام کرتے!

اُنکے نزدیک زمانے کا دستور العمل یہی تھا! اگر اُنسے سوال کیا جاتا تو یقیناً وہ بہت سی مثالیں پیش کر سکتے تھے، کہ دنیا والوں کو اسیطرح دوسروں کا مال پھونکنا رہا ہے! بڑی بڑی سلطنتیں بآسانی منتقل ہو گئی ہیں! روزانہ عدالتوں میں جائدادی کیس ہوتے رہتے ہیں جنکی اصلیت جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتی، مگر عدالتوں کے فیصلے بڑے شد و مد سے بیسیوں صفحہ سیاہ کر دیتے ہیں!

الغرض منشی لطیف احمد اپنی جگہ مطمئن تھے جو رقم اُنکے نعمت خانے (ڈیسک) میں آ چکی تھی اُس کا نکلنا مشکل بلکہ غیر ممکن تھا!

اس واقعہ کے بعد سے اُنھیں رحمن کے نام سے نفرت ہو گئی تھی۔ اگر غریب آرائی ہونے کا خیال مانع نہوتا، تو وہ رحمن کو یقیناً سنڈیلے سے نکلوا دیتے، اسکے جھونپڑے میں آگ لگوا کر خاک سیاہ کرا دیتے اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا منشی لطیف احمد ہی پر موقوف نہیں۔ ہر شخص اپنی عزت کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح

دیتا ہے۔ عزت ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہر طبقہ کے لوگون مین عزیز ہے، اور ایک نظر سے دیکھی جاتی ہے چھوٹی سے چھوٹی ذاتین بھی عزت پر مرمٹنے کو تیار ہو جاتی ہین

اگر منشی لطیف احمد کو اپنی توہین و تذلیل کا ملال تھا۔ تو کیا بیجا تھا؟ مانا کہ رحیمن۔ بیوقوف و کم عقل رحیمن کو حساب کتاب مین شبہہ ہوا، غلط فہمی واقع ہوئی تو پنچون کے سامنے۔ اور عدالت کے ہال مین معاملہ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اُسے لازم، نہین نہین بلکہ اُسپر فرض تھا، کہ وہ منت وزاری، الحاح و عاجزی سے منشی جی کو مائل برحم کرتی، یا اپنی غلطی تسلیم کر کے معاملے پر خاک ڈالتی، سات سو کی رقم منشی جی کی عزت کے مقابلے مین کوئی چیز نہ تھی۔ اگرچہ پنچون نے منشی صاحب کے مرتبہ کا کافی لحاظ کیا، اگرچہ عدالت نے اُنکے وقار مین ذرا بھی کمی نہ ہونے دی، مگر عوام نے تو کچھ خیال نہ کیا، وہ طبیعت کی شرارت سے لے اُڑے، چہار دیواری کے اندر بیٹھنے والی عورتون مین بے تکلف دوستونکی صحبت مین۔ شادی بیاہ کے گھرونمین، راہ گلی کے ملنے والے شناساؤنمین یہی تذکرے ہونے لگے۔

اگرچہ منشی لطیف احمد کے مُنھ در مُنھ بہت ہی کم لوگونکو کہنے کا ہوا ؤ پڑا۔ لیکن منھ پھٹ اُجڈ گنوار ملاحیان سنانے سے باز نہ آتے ان نامہذب دو پاؤن والے جانورونکو منشی جی کی دلشکنی مین مزا آتا تھا، حالانکہ منشی جی خود ان باتون کی پروا نہ کرتے تھے وہ مرزا نوشہ کے اس شعر پر کاربند تھے ؎

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی ہو کوئی کہ سب اچھا کہین جسے

پھر بھی منشی جی آدمی تھے، کبھی کبھی خیال پیدا ہی ہو جاتا تھا۔ جب دنیوی کامون سے فارغ ہو کر با اطمینان کھا پی کر سوتے لیٹے تو ہموطنون کی گستاخیان یاد آکر دل مین چٹکیان لے لے کر بیچین کر دیتی اور وہ پریشان ہو کر زندگی سے عاری ہو جاتے۔

یہ منشی جی کا خاندانی طریقہ تھا، خدا بخشی انکے والد ماجد بھی جب ابناے وطن کی بدزبانیون سے مجروح ہوتے تھے تو نہایت سلاست، و بلاغت کے ساتھ دنیا اور مکار و خود غرض اہل دنیا سے بیزاری و نفرت کا اظہار کرتے ہوئے مرنے کی آرزو ظاہر فرماتے تھے۔

سچ تو یہ ہے اس خاندان ستودہ صفات کی قدر کسی کو نہوئی وہ خود ہی اپنی قدر و منزلت کرتے اور اپنی عزت کو سمجھتے تھے، پروردگار عالم نے جسطرح حضرت یوسفؑ کے جمال پر ایک نقاب ڈال دی تھی جس سے انکا بے نظیر حسن سوا زلیخا کے کسی کو نظر نہ آتا تھا۔ بعینہ اسیطرح منشی لطیف احمد کا خاندان تھا جسکی لاتعداد خوبیان تہ نقاب تھین! اور لوگ اُن سے بے خبر تھے!۔

اکثر راتون کی نیند حرام ہو گئی تھی، وہ راتون کو پلنگ پر کروٹین بدلا کرتے تھے! انکے اکلوتے صاحبزادے (خلیل احمد) تو تمام دن کنکوے بازی، گلی ڈنڈا، پھلی چھلیا، کی محنت و مشقت سے شل ہو کر جب سے پلنگ پر پڑتے پھر کروٹ تک نہ بدلتے، بیوی طبیعتاً کچھ ایسی غافل سونے والی تھین کہ سر پر ڈھولک بھی پیٹے تو خبر نہون! خیر تیا پہلے ہی بھاگ گیا تھا! اور اگر ہوتا بھی تو فاقہ کشی کی مصیبت بات چیت کرنے کی مہلت نہ دیتی! انکے علاوہ گھر مین اور کوئی تھا بھی نہین جو منشی جی کی دلجوئی کرتا۔

دیہات مین اکثر گھرونمین مہمان مقیم رہا کرتے ہین، قصباتی مہمانداری مین مشہور ہین، مگر خدا کے افضال سے ہمارے منشی جی اس وہم کہنہ کی زنجیرونکو توڑ کر مدت سے آزاد ہو گئے تھے، اِن کا خیال تھا کہ گھرونکی بہ نسبت مہمانونکے لیے سرائین اور ہوٹل زیادہ مناسب ہین، جہان من مانی چیزین کھائین اور اپنی نیند سوئین! مہمان بن کر اور مہمان بنا کر بیٹھے بٹھائے مصیبت مول لینا ہے نہ مہمان اپنی پسند کا کھا سکتا نہ میزبان اپنی نیند سو سکتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ منشی لطیف احمد کے مکان مین کبھی مہمان کا قدم نہین آیا اور ہمیشہ شام سے گھر کا دروازہ مقفل اور کمرے بیچراغ دکھائی دیے،

حاسدون نے تو اس واقعہ کو اپنے اصول کے موافق رنگ کر اور حاشیہ چڑھا کر بیان کیا، بعضون نے تو جرأت کر کے کنجوسی کا ناموزون الزام بھی لگا دیا۔ مگر یہ باتین اُن عداوت اور حسد پر محمول ہین، خدا نخواستہ منشی لطیف احمد بخیل نہین، وہ کفایت شعار و غیر مصرف ہین، اور کفایت شعاری عیب مین داخل نہین ہو سکتی وہ اپنی دولت کو فضولیات مین برباد کر کے لنگوٹی باندھنا پسند نہین کرتے، دشمنون کو مضحکہ اُڑانے کا موقع ملے۔

اُن کے خاندان نے جب سے ہندوستان مین قدم رکھا تھا، اپنے عادات و خصائل پر سختی سے پابند رہا، اس خاندان کے مخصوص پامپٹنٹ اطوار نسل بعد نسل ودیعت ہوتے آئے۔ اور اب بفضلہ منشی لطیف احمد کی ذات بابرکات مین وہ تمام باتین خصوصیت سے پائی جاتی ہین، اور وہ خاندانی اوصاف مین اپنے اسلاف کے قدم بہ قدم ہین!

آج بھی وہ جب عدالت سے تھکے ماندے واپس ہوئے، تو گھر مین بیوی کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے پایا کھانے کا کچھ انتظام نہ دیکھکر حیرت ہوئی، مگر آدمی ذہین تھے فوراً یاد آگیا کہ کمبخت خیرتیا بھاگ گیا ہے اور صاحبزادے کو کھیل کود سے فرصت نہ ہوئی ہوگی! بیوی پردہ نشین ہین، بازار سے سودا سلف کون لاتا جو کھانا پکتا، جبتک رحیمن کا معاملہ روبکار رہا تھا، وہ لونڈیون کی طرح کام خدمت کو حاضر رہتی تھی

اور بیوی کو کسی بات کی تکلیف نہونے پاتی!

ہونے والی بات ہو چکی، رحیمن کو اس گھر سے قطعی تنفر پیدا ہو گیا۔ منشی صاحب کے اوصاف پسندیدہ آفتاب کیطرح روشن تھے! اس لیے کوئی ملازمت منظور نہ کرتا تھا! کبڑن، قصائی، اور مودی وغیرہ کی گستاخیاں مشہور ہو چکی تھین، اسپر خیرتیا کا فرار اور رحیمن کی پنچایت اور مقدمہ بازی نے قصبہ بھر کو بھڑکا دیا، ناچار خود منشی جی بازار گئے اور کچھ سبزی وغیرہ خرید لائے، یہ اُن لوگون کی غلطی ہے، جو اپنے کام کو کم نظر سے دیکھتے ہین!!!

(۶)

جوشِ جنون

رحیمن کا اب کوئی مددگار و غمخوار نہ تھا۔ جن ہمدردون نے ہر روز رائین دے دیکر غریب کو عدالت کی زنجیر کھٹکھٹانے پر آمادہ کیا تھا، اپنی اُمیدون کے خلاف ناکامی ہونے سے گھرون مین بیٹھ رہے تھے! اور اب کم نصیب رحیمن کو زبانی تسلی و تشفی دینا بھی اُنکے امکان سے باہر تھا! اہل قصبہ کے دروازے اس کے لئے بند ہو چکے تھے اور اب اس کے لیے اُسکا ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا رہگیا تھا، جہان مغموم و محزون سر بہ زانو بیٹھکر وہ اپنے دل سے باتین کر کر کے اُلجھنے کو زندہ تھی!

مُفلسی و بیچارگی اُسکی ہمدم تھی! اور خیالات پریشان کا نامتناہی سلسلہ دلسوزی کا باعث، ناداری مین جو جو زحمتین اور تکالیف اُٹھانا پڑتی ہین، وہ سب کی سب اُس کے لیے موجود تھین! دُنیا نے اس سے مُنھ پھیر لیا تھا! اور اب نے دے کے اُسے ایک کام رہ گیا تھا! وہ روپیون کا افسوس اور وصولیابی کی فکرین تھین!

رحیمن نحیف الجثہ کمزور عورت نہ تھی! اُسکے ہاتھ پانوُن قوی اور صحت درست تھی، اگر وہ چاہتی تو قصبہ کے خوشحال گھرون مین کام کر کے آسانی سے اپنا پیٹ پال سکتی تھی۔ لیکن پنچایت اور عدالت کے فیصلے نے اُسے بالکل ہی بیکار کر دیا تھا، اُس نے اپنی ناکامیابی کے دن سے ہر کام و ہر فعل کے نہ کرنے کا عہد کر لیا تھا، اور اُس بیوہ عہد پر سختی سے قائم تھی! اب اُسے صبح شام روپیہ کی رٹ لگی تھی، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہر گھڑی ساعت، اُسے صرف ایک کام تھا، اور وہ اپنے مکرم و مہربان منشی لطیف احمد کا ذکر خیر اور مدح سرائی تھی، وہ اپنے جھونپڑے کے دروازے پر نیم کے سایہ مین بیٹھی ہوئی اُنھین صدق دل سے دعائین دیا کرتی تھی!-

اِن مدح سرائیون اور دعاؤن پر نکتہ چینی کرنا ضرور نہین، جب کسی کا کلیجہ ٹھنڈا اور دل جلتا ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے، البتہ تعجب خیز کوئی بات تھی، تو یہ تھی، کہ رحیمن جیسی جاہل کند ذہن ناتراش کے دماغ مین ایسے لطیف و شاعرانہ خیال کہان سے آئے؟ جسوقت وہ بجوش و خروش بے سر و پا دعاؤن کا سلسلہ شروع کرتی تھی، تو ایسے ایسے نازک و رنگین تلازمے اور دلفریب استعارے استعمال کرتی تھی، کہ سُننے والے حیرت و استعجاب سے دانتون مین اُنگلی دبا کر رہ جاتے تھے!

کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا تھا۔ گھر کا چوطفا بے غور ہی و لاپروائی کی وجہ سے شکستہ ہو گیا تھا، غریب کے یہان تانبے کے برتن کہان نصیب مٹی کی ہانڈیان مالک کی کم توجہی سے لوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئین تھین، جو نیٹرے مین اول تو تھا ہی کیا؟ اور جو کچھ تھا بھی وہ چوہون کی نذر ہوا!!

روحانی صدمات اور فاقہ کشی نے رحیمن کا نقشہ بالکل ہی بدل دیا تھا! اب نہ وہ دست و پا مین توانائی تھی، نہ چہرے پر صحت کی بحالی، ہاتھ پاؤن سوکھ گئے تھے، رخسارون کا گوشت گھل کر ہڈیان اُبھر آئی تھین! ہوش و حواس تھے ہی کب؟ اور جو تھے بھی تو نذر جنون ہوئے، رفتہ رفتہ مزاج پر وحشت نے غلبہ پایا۔ پہلے تو جھونپڑے کا دروازہ تھا، اب بڑھتے بڑھتے کھلے ہوئے میدان اُسکی قصیدہ خوانی کی جولان گاہ بن گئے! صبح کی سہانی فضا مین، دوپہر کی کڑکڑاتی دھوپ مین، شام کے جھٹپٹے مین، اور رات کی پھیلتی ہوئی تاریکی مین، اُسکی بھیانک و دل شکن آواز گونجتی سُنائی دیتی!

اُسکے اعضائے جسمانی کی تمام قوت سمٹ کر زبان، اور صرف زبان مین آگئی تھی! اور اُسنے اس قوت کو صرف منشی لطیف احمد کی مدح و ستایش مین صرف کرنا شروع کر دیا تھا، رات دن کے چوبیس گھنٹون مین کوئی گھنٹہ ایسا نہ ہوتا تھا جسمین وہ اپنے محسن کی توصیف مین خاموش نظر آئے ایک پرجوش روحی جو منھ مین اُسکی زبان کو متحرک کیے ہوئے تھی، بڑی بڑی مشینون کو صفائی اور تیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے، مگر یہ ایسی قدرتی مشین تھی جسکے کل پرزون کو نہ صفائی کی ضرورت تھی، نہ تیل کی حاجت! پہلو مین دل بیتاب، جگر بیچین تھا اور منھ مین زبان کو قرار نہین!

وقت دریا کے پانی کی طرح بھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، اور وقت کے ساتھ ساتھ رحیمن کا دیوانہ پن ترقی پذیر تھا! امکان کے دروازے سے میدان جولانگاہ سے اور میدانون سے، ہندوؤنکے مسان مسلمانونکے قبرستان ٹوٹے پھوٹے کھنڈر۔ اور خطرناک جنگلو نمین اُسکی آوازین گونجنے لگین، گرد آلود پریشان بالونکی لٹین چہرے پر بکھری ہوئی، لال لال شعلے کی طرح آنکھین، اور نیچے سے سوکھے ہوئے ہاتھ پاؤن دیکھکر لوگ خوف کھانے لگے! اُسکا رعب دلونپر غالب آگیا تھا!

اگر کبھی کبھی بھولے چوکے قصبہ مین اسکا گذر ہوجاتا تو عورتین ڈر ڈر کر مکانون کے دروازے بند کرلیتین مرد منھ پھیرا اور راہ کترا کر چلے جاتے، گلیون مین کھیلنے والے لڑکے لڑکیان سہم کر چیخ اُٹھتے اور جسکا جدھر منھ اُٹھ جاتا بھاگ نکلتے، پہلے تو بعض زندہ دل ناخدا ترس اُسے چھیڑنے کو بہتیرے مذاق کرتے تھے لیکن اب اس حالت سے متاثر ہوکر سب نے ہنسنا چھوڑ دیا تھا۔

اگر اس حالت مین بھی کوئی رحیمن کے حال زار پر ترس نہ کھاتا! اور ستانے سے باز نہ آتا! تو وہ منشی لطیف احمد کا خلف رشید (خلیل احمد) تھا ع

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

باپ مین جو کوئی کسر رہ گئی تھی اُسے ہونہار صاحبزادے نے پورا کر دیا تھا۔ قصبہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو خلیل احمد کا مداح نہو! چھوٹے بچے اُسکی رسمی کے قائل۔ ضعیف عورتین اُسکی لسانی اور فصاحت کی کلمہ گو، لنگڑے، لولے، اندھے، کانے، اُسکی دستگیری کے مشکور تھے، بنگھٹ پر روزانہ مٹی کے دو چار گھڑے اُسکی تیز دستی اور صفائی کی بھینٹ چڑھ جاتے، کنظر چوکتے ہی ڈوری کا اُڑا دینا اُسکے بائین ہاتھ کا کھیل تھا!

اُسے گالیان کھانے مین تو ایسا مزا آتا تھا کہ شاید سمدھیون کو سمدھنون کے دشنام شیرین مین بھی اتنی حلاوت نہ ملتی بوڑھی عورتون، اندھے مردون، اور اپاہج لوگون کے کوسنے اُسے آب حیات تھے جبتک صبح و شام یہ چیزین مرکب میسر نہ آتی کھانا ہضم نہ ہوتا۔

انکے شجاع دل فرزند سے اب بھی رحیمن کی ہیبت مغلوب تھی! جسوقت اُس مخبوط الحواس کے سامنے سارا قصبہ سرنگون ہوتا! اُسوقت یہی ایک ذات شریف تھی جو بہادرانہ مقابلہ کرنے کو تیار ہوجاتی! وہ دست بدست مقابلہ کرکے اپنے خاندانی دشمن کو شکست فاش (فاحش) دیتا! اور جب مغلوب دشمن میدان سے پیٹ موڑ کر بھاگ رہا ہوتا! تو وہ کتحنکی فوج لئے ہوئے اُسکا تعاقب کرتا اور جبتک ہزیمت خوردہ رحیمن بستی سے باہر نہ ہوجاتی، یہ بہادر غازی مرد۔ دم نہ لیتا!

یہی وہ چھوٹے چھوٹے مجادلے تھے جو خلیل احمد کی آیندہ ترقی کی خبر دیتے تھے۔ روزانہ فتح و نصرت کی خبرین سُن سُن کر باپ کا دل بڑھتا، مان کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا تھا! اور وہ جان بوجھ کر ان واقعات سے چشم پوشی اختیار کرتے انکا خیال تھا، ہونہار بچون پر تنبیہ کرکے اُنکے اُبھرتے ہوئے ولولون کو فنا کرنا ہو ایک باپ اپنے فرزند کی تربیت کے وقت اگر اُسکے جذبات کا لحاظ نہ رکھے تو یقیناً لڑکا بودا کم ہمت، کاہل، ہوکر ناکارہ ہوجائے گا، بچون کا اُٹھان ہی ٹیڑھی کھیر ہے، مگر بدعقل دیہاتی اس مرکو

کیونکر پا سکتے ہیں؟ وہ تو خیر کچھ بھی سہی لیکن گانوں بھر میں ایک وہی بہادر شخص تھا جو وہاں کی عورتوں مردوں، بچوں پر ترس کھا کر اس بلا (رحیمن) کو اُنکے سروں سے دفع کرتا تھا۔

بدنصیب رحیمن کو، روپیہ پیسہ، ہوش وحواس کھو کر مجنوں کا مغز نقب حاصل ہوا تھا! اور حقیقت میں اس کا قلب اُلٹ گیا تھا! وہ اپنے ہوش میں نہ تھی! اسکی تمام باتیں بھکی ہوئی ہوتیں اسکی کل حرکتیں مجنونانہ تھیں، وہ کبھی خود بخود خوفناک ٹھٹھے لگاتی اور کبھی ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگتی! اسکی ہر بھی دیوانہ پن اور پُر لطف دیوانہ پن سے خالی نہ تھی! وہ کسی خشک درخت کے تنہ سے لگ کر بیٹھتی تھی اور نہایت جوش وخروش میں بڑھانکنا شروع کرتی حسیمن منشی لطیف احمد کے گوشت، پوست نوچنے، دل جگر مسلنے اور ناک کان کاٹنے کی خواہش کا اظہار ہوتا! اور جب یہ خواہش بڑھتے بڑھتے بیتابی اور بیقراری کی حد تک پہونچ جاتی، تو وہ اگر ڈائی لیکر دیوانہ انداز سے اُٹھتی اور درخت کی شاخ توڑ کر اُسے فرضی منشی لطیف احمد خیال کرتی! اُٹھنی کو زمین میں گاڑ کر اپنے روپیوں کا تقاضہ کرتی، اور جب حسب دلخواہ جواب نہ ملتا تو دانت پیکھیا اور مٹھیاں بھینچ کر حملہ کرتی اور دیکھتے ہی دیکھتے اٹھنی کو نوچ کسوٹ کر پھینک دیتی! کبھی کبھی زمین پر پتلہ بنا کر اُسکا نام منشی لطیف احمد رکھتی اور پھر اس پتلے پر اپنے جذبۂ جوانی کا اظہار کرتی!

مگر اس عنوان سے اسکا جوش انتقام ٹھنڈا نہ پڑتا! دل کی شورش بڑھتی ہی جاتی آتش نہانی اُسکے کلیجے کو بھونے ڈالتی تھی! وہ ایسی آگ میں جل رہی تھی جسکا فرو کرنا، اُسکی قوت وامکان سے بعید تھا اکثر راتوں کو اُسکی خوفناک آواز سُنکر گھر و نمین عورتیں خوف زدہ ہو کر اسطرح چونک پڑتی تھیں جیسے صحرا نورد مسافر، شیر کے ہونکنے کی صدا سُنکر سوتے سوتے اچھل پڑے، اس آواز سے زیادہ ہیبتناک اس کا قہقہہ تھا جو منشی لطیف احمد کی خیالی تکا بوٹی کرنے کی کامیابی کی خوشی نید، بجوش وخروش بلند ہوتا تھا۔

اس خشک وبھیانک ہنسی کی تہ مین، انتہا کی شیطنت، انتہا کی خونخواری، اور انتہا کی سفاکی چھپی ہوئی تھی! اور رات کی خاموش فضا مین جب وہ ہیبناک آواز گونجتی تھی تو سُننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے! پہلوؤں مین دل بے اختیار لرزنے لگتا تھا! معلوم ہوتا تھا سیکڑوں شب زندہ دار جانور ایک ساتھ شور مچا رہے ہین!

اگرچہ رحیمن خود بخود بستی سے منتفر ہو گئی تھی۔ اگرچہ اسنے اپنا چھونپڑا ویران کے سُنسان جنگل آباد کیا تھا۔ مگر اہل قصبہ پر اس کا خاصہ رُعب تھا، رات کی تاریکی مین رستہ چلنے والے چوکنا رہتے تھے

گھروں مین سونے والے استراحت کے پہلے چراغ لیکر اچھی طرح دیکھ بھال لیتے کہ دروازے یا گھر کے قریب رحیمن تو نہین!

(۷)

خوف

منشی لطیف احمد بڑے حوصلے کے آدمی تھے انکا استقلال و یا مردی انھین کی ذات پر ختم تھا، گویا خوف در جاکو انھون نے طلاق دیدی تھی، اور عدالت کے تو بادشاہ تھے، دیوانی سے خوف کیا؟ وہ تو بچونکا گھروندا تھا، فوجداری، اُنہ یہ تو انکا دلچسپ مشغلہ تھا، اس میدان مین انکا مقابلہ ایسا تھا جیسے روباہ شیر بر کو گیدڑ بھبکیان دکھائے!

یہ سب کچھ تھا مگر انھین یہ کہتے شرم آتی ہو کہ منشی لطیف احمد ایک مخبوط الحواس پگلی عورت سے خوف کھا گئے، رحیمن کے خوفناک نعرے انکے دل کو بغیر کسی دقت کے لرزا دیتے تھے، یا یون کہئے کہ رحیمن کی دل لگی تھی کہ گھڑی گھڑی، کلجھ چیاؤنگی، کی ہانک لگاکر، منشی جی کو، دہلا دیتی تھی کسی کا خیال بہت سچ ہے کہ بسا اوقات خود غرض انسان قانون مروجہ کا خوف دل سے نکالکر آزاد ہو جاتا ہے وہ دُنیا کی بڑی بڑی قوتونکو دھیان مین نہین لاتا! لیکن آسمانی انتقام اور پرسش آخرت کا خیال دل سے نہین نکل سکتا اور یہ انسان کی خلقت ہے کہ وہ اُن باتون کو قصداً بھلانے سے بھی نہین بھولتا، اسکا دل اُس تصویر کا کاغذ ہے جو ہر قسم کے عکس کو اپنے جگر مین جذب کر لیتا ہے اور پھر کبھی مٹنے نہین دیتا، اگرچہ انسان اپنی ستمدی اور جہالت سے نہ دیکھے تو نہ دیکھے مگر اسکا ضمیر ہر اچھے بُرے عکس کو اپنی آغوش مین لیے رہتا ہے اور کبھی کبھی حسن اتفاق اُسے نفس امارہ کی تاریکی سے نکالکر پیش نظر کر دیتا ہے اور وہ دل کے آئینہ مین اپنی اصل تصویر دیکھ لیتا ہی!

رحیمن کی شب گردی اور پُر بہیبت نعرے بھی، وہی حسن اتفاق تھا جسنے منشی لطیف احمد کو بیدار کر دیا۔ انھون نے رات کی تاریکی اور تارونکی دلکش چھاؤن مین اپنے خیال کے اُس پتلے کو دیکھا جو صفحہ دل پر نقش تھا، سناٹا اور خاموشی یکسوئی دل و دماغ کا باعث ہے ایسی حالت مین انسان کا طائر خیال اپنی پوری قوت سے پرواز کرتا ہے! اسوقت وہ تمام گذشتہ واقعات جو نامۂ عمل مین ابھرے ہوتے ہین، اُسکی آنکھونکے سامنے روشن نظر آتے ہین جنھین دیکھا اور پڑھ کر کچھ حق پرست نفوس اپنے افعال شنیعہ سے شرمندہ ہو کر آئندہ لغزشون سے تائب ہو جاتے ہین لیکن کچھ ہٹ دھرم اندھے

آدمیون کو اُنکی خلقی بدطینتی اُدھر سے مُنھ پھیر لینے کا حکم دیتی ہے اور وہ بندۂ نفس سیدھی راہ چھوڑ کر ایسا ٹھہرا رستہ اختیار کرتا ہی کہ منزل سے دائمی مفارقت ہو جاتی ہے!

رحیمن کی ہانک پکار اور شب گردی بھی وہی مبارک اتفاق تھا جس نے منشی لطیف احمد کی دبی ہوئی چنگاری کو کرید کرید کر اُبھار دیا تھا اور اب اُنھین وہ تمام ایک کے بعد ایک یاد آ رہے تھے جو معرض وجود مین آ چکے تھے، وہ اپنے بستر پر پڑے پڑے ایک ایسا خوفناک اور روح شکن تماشہ دیکھ رہے تھے جسکا تخیل انکی قوت امکانی سے بعید تھا! آسمان کی کھُلی فضا مین کچھ خیالی ایکٹرس مظالم انگیز ڈراما کھیلتے دکھائی دیتے تھے جس کے ماہر و اور ہیروئن خود منشی لطیف احمد اور رحیمن تھی!

عموماً کھیل تماشے دلچسپ و دل بھلاؤ ہوا کرتے ہین! مگر یہ کیسا ڈراما تھا؟ جس نے منشی صاحب کے سکون و اطمینان کے ساتھ راتون کی نیند بھی اُڑا دی تھی؟ اُنھین در و دیوار مین رحیمن کی ڈراونی صورت دکھائی دیتی تھی اور جس وقت اہل قصبہ پر نیند کا سکوت غالب ہوتا تھا۔ خلق خدا اپنے بستر و نیز آرام کی میٹھی نیند سوتی ہوتی تھی، اُسوقت بھی منشی لطیف احمد بیچینی سے کروٹین بدلتے نظر آتے تھے،

ایک مجبور و فراق نصیب عاشق اپنے مطلوب کی جدائی مین بھی اس بیقراری سے مضطرب نہ ہوتا ہوگا جس اضطراب کے ساتھ ہمارے منشی صاحب رات کاٹتے تھے!

لاکھ کچھ ہو لیکن منشی لطیف احمد تھے بہادر، وہ اپنی چشم و ابرو سے اضطراب و پریشانی ظاہر کرنے کو ننگ و عار سمجھتے تھے، دل کا کچھ ہی عالم ہو مگر مجال کیا جو چہرے پر تغیر کی علامت پائی جائے غیر تو غیر ابھی تک اُنھون نے اپنی ہمدم و دمساز بیوی اور ہونہار صاحبزادے کو بھی اس راز سے آگاہ نہ کیا تھا۔ حقیقت مین اپنی کمزوری کا اطمینان کر کے عورت اور لڑکے کی نظر مین ذلیل ہونا تھا، منشی جی بڑے باپ کے بیٹے تھے وہ بودے بنکر آبرو ڈبو دینا عیب سمجھتے تھے! اُن کی اِن باتون اور رستمی کا سارا قصبہ قائل و معترف تھا! بھلا وہ محض خیالی باتون سے خوف ظاہر کر کے اپنی ناموسی کرا سکتے تھے!

منشی جی نے ضبط کیا جتنا کرنا چاہیے تھا! اسوقت تک اُنھون نے اپنی آن بان کو جس استقلال و پامردی سے برقرار رکھا وہ اُنھین کا حصہ تھی! مگر اسے کیا کرتے کہ روز بروز اُن کا دل کمزور ہوتا جاتا تھا۔ رحیمن اگرچہ ایک مشت استخوان کا نام تھا۔ اگر منشی لطیف احمد اینڈ اینڈ ایک ہاتھ رسید کر دیتے تو وہ فنا ہو جاتی، مگر اسکا رعب و دبدبہ قدیمت تھا، اور اب منشی جی کے ہاتھ سے عنان اختیار چھوٹی جاتی تھی!

رحیمن کے خوف سے منشی صاحب کی زوجہ بھی محفوظ نہ تھین! وہ جسطرح خلوت و جلوت، رنج

خوشی، تکلیف و راحت مین وفادار عورت کیطرح اپنے شوہر کا ساتھ دیتی تھین! اسیطرح اس معاملے مین بھی، منشی لطیف احمد کے پہلو بہ پہلو نظر آتی تھین، اگر منشی جی راتون کو تڑپ تڑپ اور جاگ جاگ کر صبر کرتے تھے! تو یہ بھی اپنے بچھونے پر لیٹ کر مطول خیالات پریشان کا سلسلہ باندھ دیتی تھین، اور اس وحشت انگیز سلسلے مین کچھ ایسا منہمک ہوتین کہ صبح تک کسی کام کا ہوش نہ رہتا اور جب منشی جی حوائج ضروری سے فارغ ہو کر شانہ جھنجھوڑتے تو ہوش آتا!

سنڈیلے کی بھولی بھالی عورتون مین انکی فصاحت و بلاغت کی دھوم مچی ہوئی تھی، عورتین تو عورتین بڑے بڑے قابل مردون کے زور بیان کے آگے سر عجز خم کرتے تھے، منشی لطیف احمد کا کوئی معاملہ ایسا نہ ہوتا جسمین یہ قابلہ عورت نمایان حصہ نہ لیتی ہو! اکبرن کا قیامت خیز معرکہ اسی وحید عصر عورت نے اپنی شیرین گفتاری سے سر کیا، قصائی کے سامنے منشی لطیف احمد کی ایک نہ چلی، وہ تو کندے چھوڑ کر ڈھیلے پڑ گئے تھے وہان بھی اسی پاک نفس نے مدد کی اور پردے کی آڑ سے ایسی منطقی اور مدلل تقریر کی کہ قصائی تو اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گیا اور منشی جی اس بلائے بے درمان سے بال بال بچ گئے!

رحیمن کے بارے مین بھی انھین محترمہ کی صائب رائے نے منشی صاحب کو مظفر و منصور کیا ورنہ رحیمن کے موٹے موٹے آنسوؤن منتر دلون کو تسخیر کر چکا تھا، بیچ اسکی گریہ وزاری سے متاثر نظر آتے تھے اور حساد تو پہلے ہی سے منشی جی پر خار کھائے بیٹھے تھے! مگر ان محظہ کے ایک نکتہ نے کایا پلٹ دی، منشی جی کامیاب ہوے اور ایسے کامیاب ہوے جیسا ہونا چاہیئے تھا،

الغرض منشی لطیف احمد کو جیسی زوجہ زیب تھی ویسی ہی ملی، اور وہ اپنی اس خوش نصیبی پر ناز کرتے تھے اور احباب کی صحبت مین بیٹھکر فخریہ بیان کرتے تھے کہ اگر خلیل کی والدہ سے میرا عقد نہوتا تو میرے علم کا دائرہ آدھا رہ جاتا! وہ بیوی کے وصف مین پورا زور بیان صرف کرتے تھے! اور اس موضوع پر گفتگو کو اتنا طول دیتے تھے کہ سننے والے اکتا جاتے تھے!

ماشاء اللہ خلیل بھی تو انھین ماں باپ کا لڑکا تھا، اسکی ذات مین فریقین کے اوصاف خصائل جمع ہو گئے تھے گویا وہ اُن دونون بزرگ و معظمہ کی جیتی جاگتی تصویر تھا! اس کا اُٹھان بھی منشی صاحب نے اپنے طریقے پر اُٹھایا تھا، اگرچہ وہ ابھی بچہ ہی تھا مگر اہم معاملات مین خاص پر اور چھوٹی چھوٹی باتون مین عموماً اسکی شرکت ضروری خیال کیجاتی تھی! اور اس عنوان سے صاحبزادے کا تجربہ بڑھایا جاتا تھا، بعض معاملات مین تو میان خلیل نے ایسی ایسی انوکھی تدبیرین بتائی ہین کہ باپ ماں دونون دنگ ہو کر رہ گئے، جو گتھی دو تجربہ کار دماغون سے نہ سلجھتی تھی اُسے ایک نو آموز

چھوکرے نے آسانی سے سلجھا دیا! یہی وہ دلاویز باتین تھین جنھون نے میان خلیل کو مان باپکی آنکھونکا تارا بنا رکھا تھا! اور وہ دونون میان بیوی روح و جان سمجھتے تھے،

خلیل مین جدّت کا مادہ ضرورت سے کسیقدر زیادہ پایا جاتا تھا، اسکی اختراعین عجیب و غریب ہوا کرتی تھین! یون تو شریر لڑکے اکثر پنھاریونکے گھڑے ڈھیلے مار مار کر توڑ ڈالتے ہین لیکن میان خلیل نے اسبارہ خاص مین ایسی نادر و بیمثل مشق بہم پہنچائی تھی کہ سبحان اللہ! انکا نشانہ کبھی چوکتا ہی نہ تھا اور پھر صفت یہ گھڑے کا مونگھڑ ہی نوٹتا تھا! باقی تمام گھڑا ثابت رہتا تھا، کبھی کبھی وہ تفریحاً ایک ہنسیا لیکر کنوین کی جگت پر جا کر کھڑا ہوتا، مگر اسطرح کہ ہنسیا کرتے کے دامن مین چھپی رہتی اور جب پنھاری پانی بھرنے کو گھڑا کنوئین مین ڈالتی تو وہ ہنسیا سے ڈوری کاٹ دیتا جس سے گھڑا کنوئین مین گر جاتا اور صاحبزادے تالیان بجاتے اور قہقہہ لگاتے ہوئے چنپت ہو جاتے!

گانوئن والے حسد کی راہ سے ان پیاری باتون اور خوبصورت اداؤن کو شیطنت سے تعبیر کرتے تھے مگر انصاف پسند طبیعتین ان لغویات کو رد کر دیتی تھین اور برخوردار میان خلیل کی وقعت مین کسی قسم کی کمی نہ ہوتی تھی!

یہ تینون پاک روحین بعافیت و آرام اپنی زندگی بسر کرتی تھین۔ اُنکے مل جل کر کام کرنے سے کبھی کوئی مشکل اڑی نہ رہتی تھی۔ مگر اس طرف رحیمن کا معاملہ کچھ ایسا پیچھے پڑا تھا کہ نفس ثلاثہ کو خواب و خور حرام ہو گیا تھا، خلیل رحیمن سے تو ذرا بھی نہ ڈرتا تھا، ہزارون مرتبہ سر میدان اسے شکست دیچکا تھا، کبھی کتونکی فوج لیکر معرکہ جیتا۔ تو کبھی ڈھیلے بازی مین نیچا دکھایا۔ مگر راتونکو اسکی خوفناک صدائین دل دہلا دینے والے قہقہے اسے بھی سہما دیتے تھے۔ جب سے رحیمن کے سر پر انتقام کا بھوت سوار ہوا تھا صاحبزادے کو راتونکی نیند حرام ہو گئی تھی، وہ راتون کو چونک کر اپنی والدہ کے پاس گھس رہتا تھا،

اگر اور زمانہ ہوتا تو شاید والدہ محترمہ اس زحمت کو برداشت نہ کرتین اور لات مار کر صاحبزادے کو گرا دیتین! مگر رحیمن کے بھیانک نعرے اُنکے ڈرے ہوے دلکو تکلیف گوارا کرنے پر رضامند کر دیتے اور وہ کسی دوسرے کی موجودگی کو غنیمت خیال کر کے خاموش ہو جاتین۔ بلکہ مامتا کے جوش مین اپنے ڈرے ہوے فرزند کو کلیجے سے چمٹا لیتین!

(۸)

دھتا دیا

آج منشی لطیف احمد کچہری سے بے نیل مرام واپس آئے، دن بھر کی تھکن، آمدنی کا مفقود ہونا چاروں طرف سے رحیمن کے معاملہ بن تھری تھری ایسی نہ تھی، جو منشی صاحب کو پریشان نہ کر دیتی، وہ اپنے مستقبل کو تاریک دیکھ رہے تھے! اور زمانے کی ناقدری پر سخت نالاں تھے گھر مین قدم رکھتے ہی انکی زبان سے یہ کلمات ادا ہوئے۔

بھئی مین تو اہل سندیلہ سے تنگ آگیا ہون یہ قصبہ ہم شرفا کے رہنے کے قابل نہین رہا،، خدا کی شان دھنیے جولاہے بھی مُنھ آنے لگے، لو صاحب ہم کہان اور وہ .....،، رحیمن کہان مین اُسکی سات سو روپیان ہضم کرونگا! لعنت ہے ایسے وطن پر، اور ایسے ہموطنون پر میرا تو جی چاہتا ہے بوریا بدھنا سمیٹ کر عزت و آبرو کے ساتھ نکل جاؤن، روٹیونکی کیا کمی ہی جس عدالت مین چلا جاؤنگا لوگ ہاتھون ہاتھ لین گے،، کیا ساری دُنیا ناقدر تھوڑی ہے، مین نے تو خود اپنے وطن کی محبت مین اپنی مٹی پلید کر رکھی ہے، معمولی معمولی دماغ و عقل والے وکیل اور بیرسٹر ہو گئے، اور مین جو ہر طرح ان مدارج کا مستحق ہون محروم رہ گیا، توبہ توبہ یہ بھی کوئی انصاف ہی، جمن بدھو تو حکومت کی کرسی پر اجلاس فرمائین اور شریفونکو ٹوٹی ہوئی چوکی بھی نصیب نہ ہو،،

منشی لطیف احمد جوش و خروش مین خدا جانے کیا کیا کچھ کہہ گئے! اور نہ معلوم کیا کیا کچھ کہتے اگر انکی غمگسار اہلیہ درمیان مین بول کر اُنکی گل فشانیون کا سلسلہ قطع نہ کر دیتین۔

بیوی۔ یہ آج تمھین کیا ہو گیا ہے جو بکے چلے جاتے ہو نہ کام کا دھیان ہے نہ کھانے پینے کی فکر!

منشی۔ بھاڑ مین جائے کام دھندا، اور چولھے مین پڑے کھانا پینا! اسوقت مین اپنی جان سے بیزار ہو رہا ہون کاش وہ ملعونہ (رحیمن) مجھے تو خون پی لیتا! بوٹیان چبا لیتا!

بیوی۔ خیر تو ہے، انسان سے بہائم کیون بنگئے!؟

منشی۔ اجی تم کیا جانو، مزے سے گھر کے اندر بیٹھی رہتی ہو، یہان تو راستہ چلنا دشوار ہو گیا ہے ذرا ذرسے لونڈے آوازے کستے ہین! گویا مین نے اُس مالزادی کا روپیہ سچ مچ ہضم کر لیا ہی!

بیوی۔ اچھا، یون بھی سہی، تو پھر اُن کے ہوتے سوتون کا کیا اجارہ؟ خوب کیا ہم نے روپیہ

دبالیا، نہین دیتے اچھا کرتے ہین!

فہمیدہ بیوی نے نرم گرم باتین کرکے میان کی فکرون کو کسیقدر کم کردیا، اور جب اُن کے اضطراب و بیچینی مین کمی ہوگئی تو گھر کے سودا سلف کو باہر بھیجا،

اب منشی لطیف احمد کی چنگیز خانی زبان ہی تک محدود رہ گئی تھی باہر نکلتے ہوئے روح لرزتی تھی! انھین قدم قدم پر رحیمن کا خوف لرزا دیتا تھا، راستہ مین پتا بھی کھڑکا اور اُنھون نے چوکنا ہوکر چارون طرف دیدے پھاڑ پھاڑ کر گھورنا شروع کیا! وہ رحیمن سے تو نہ ڈرتے تھے مگر اُسکی وحشت سے بہت خوف تھے! پاگل عورت کا اعتبار ہی کیا؟ راستہ گلی مین حملہ کر بیٹھے تو کیا کرینگے؟ عورت پر یون ہاتھ اُٹھانا مردانگی کے خلاف ہے اور پھر دیوانی عورت پر جو خدا کے عذاب مین مبتلا ہو رہی ہے! غضب تو یہ ہے کہ مدافعت بھی نہین کرسکتے، بیوقوف قصباتی بنائین گے، اُف اُنھین اچھا خاصہ تماشہ ہاتھ آئے گا، اگر خاموشی سے اس کے دست شفقت کا خیر مقدم کرتے ہین تو بھی حاسدون کو بدنام کرنے کا موقع ملجاتا ہے۔ وہ تمام مین مشہور کردینگے کہ ایک عورت نے منشی لطیف احمد کی خوب گت بنائی اور وہ کچھ بھی نہ کرسکے، پھر یہ بھی خیال تھا کہ خدانخواستہ جاو بیجا چوٹ آگئی تو کیا ہوگا، خلیل کمانیکے لائق نہین۔ بیوی سسرال سے کچھ جہیز بھی ساتھ نہین لائین جو چندے روٹیان چلنے کی امید ہو، لے دیکے اکیلے کمانے والے، معلوم نہین کس محنت و مشقت سے پیسہ پیدا کرتے ہین جو کھانا پینا چلتا ہے!

اسی قسم کے وجوہ تھے جن سے خائف ہوکر منشی لطیف احمد باہر نکلتے ہوئے ڈرتے اور خوف کھاتے تھے، مگر اپنی زبان سے اپنے خوف کا اظہار بھی پسند نہ تھا، اور بیوی صاحبہ کو خدا جانے کیون ضد ہوگئی تھی کہ وہ اور کسی سے کام کو کہتی ہی نہ تھین بازار بھیجنے کے لیے منشی جی ہی کو تاک لیا تھا!۔

قہر درویش، بجان درویش، منشی جی سودے کا رومال کندھے پر ڈال کر بازار گئے، اور کچھ سبزی وغیرہ خرید لائے، خدا نے بڑا فضل کیا کہ راہ مین رحیمن ڈائن کا سامنا نہین ہوا، لیکن کبھی کبھی دور سے اسکی خوفناک آواز کانون مین آکر منشی جی کو دھلا جاتی تھی۔ بلکہ ایک مرتبہ تو وہ آواز اسقدر بھیانک تھی کہ منشی جی سے رومال مین گرہ نہ لگ سکی اور ترکاری زمین پر گرکر تتر بتر ہوگئی!

اس موقع پر بھی منشی جی کی چستگی آڑے آئی ورنہ کبڑیے کے آگے سخت رسوائی ہوتی، اُنھون نے جھک کر ترکاری کو سمیٹتے ہوئے کہا!

لاحول ولاقوۃ بھول بھی کیا بُری چیز ہے؟ بالکل یاد نہ رہا کہ رومال مین گرہ دینا چاہیے،،

دو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب ترکاری گھر گئی ،،

یہ کہا ، اور خود ہی خوب ٹھٹھا لگا کر ہنسے ! چلئے بات رفت و گذشت ! اور منشی صاحب مونچھون پر تاؤ پھیرتے ہوئے مظفر و منصور ! فتحیاب و کامیاب مکان واپس آئے !

بیوی نے اتنی دیر مین برتن باسن دھو مانجھ کر سب ٹھیک ٹھور کر رکھا تھا ! ترکاری بنا کر ہنڈیا چڑھا دی اور تھوڑی دیر مین پکار ھیند کر ! میان ! اور بچہ کو کھلایا ! خود کھایا ! اور بچا کھچا چھینکے پر رکھکر فارغ ہو گئی !

دیہات مین عموماً اول شام کھا پی کر لوگ سو جایا کرتے ہین ، منشی لطیف احمد بھی بچپنے سے سو رہنے کے عادی تھے ! اسطرف کمبخت رحیمن اُنکے آرام مین خلل انداز تھی ! تین پہاڑ سی کالی کالی بھیانک راتین آنکھون ہی آنکھون مین گذر گئین تھین اِس لیے آج مئے دو آتشہ کے چند گھونٹ پیکر بسترے پر جا لیٹے ۔

منشی جی کو شراب کی لت تو نہ تھی کیونکہ وہ اپنے آپکو کٹر مسلمان بتاتے تھے لیکن کبھی کبھی احباب کے اصرار سے کچھ شغل فرما لیتے تھے ! یا جاڑونکی فصل مین جب ٹھنڈی ہوا کلیجے کو کپکپائے دیتی تھی تو دوا کے طور پر ایک آدھ گلاس حلق سے اُتار لیتے تھے انھین اپنی صحت کا خیال بہت رہتا تھا اور حفظان صحت کے جسقدر بھی قاعدے اُن کی وقیع نظر سے گذرے تھے حتی المقدور اُن سب پر عملدرآمد بھی تھا ۔

متواتر تین راتین جاگنا خرابی صحت کا پیش خیمہ تھا اس لیے اُنھون نے اس سرور انگیز و خواب آور دوا کا استعمال جائز رکھا ۔

بیوی بھی سب دھندون سے فارغ ہو چکی تھین اپنے پیارے بچے میان خلیل کو لیکر دالان مین آکر لیٹ رہین بچونکی نیند کا کیا پوچھنا پلک جھپکتے ہی سو جاتے ہین خلیل مان کی موجودگی سے مطمئن ہو کر لیٹتے ہی سو گیا اور سویا تو ایسا غافل کہ سر و پا کی خبر نہ رہی ! لیکن معظمہ کو خیالات پریشان نے آگھیرا اور وہ دیر تک انمین اُلجھی رہین کبھی کبھی اُنھون نے نہایت فصاحت و بلاغت سے رحیمن کو کوسا بھی کیونکہ فی الحال اسی کی بدولت ان مقدس نفوس کو زحمتین ہو رہی تھین اور کوستے ہی کوستے سو گئین ! کئی راتونکی جاگی ہوئی تھین نیند بھی خوب آئی ۔

منشی جی الگ اپنے بچھونے پر پڑے ہوئے کروٹین بدل رہے تھے ۔ دوا (شراب) نے اثر تو ضرور کیا مگر اُلٹا ! بجاے نیند آنے کے بیخوابی بڑھ گئی عالم سرور مین رحیمن کا خیال بندھا اور واہمہ نے

دو ہڈیوں کا ڈھانچ نظر کے سامنے لاکھڑا کیا منشی جی کے ہاتھ پانوں میں رعشہ پڑ گیا یا تو چھت سے آنکھیں لگی ہوئی تھیں یا بالکل بند ہو گئیں! مگر قوت سماعت اپنا کام کرنے سے باز نہ رہی اُس نے فرضی آوازیں پہونچانا شروع کیں! اب نہ تو منشی جی کو لیٹتے بنتا ہے نہ وہاں سے اُٹھ کر بھاگ جانیکی قوت باقی ہے اسی مصیبت اور مجبوری میں دو گھنٹے گذر گئے۔

سوے اتفاق سے رحیمن بھی اپنے وحشیانہ جوش میں ادھر آنکلی! اُس نے منشی لطیف احمد کا مکان پہچانا! دروازے پر آئی! انگشت شہادت سے منشی صاحب کی خیالی شبیہ تیار کی اور پھر اُس تصویر پر پوری قوت سے حملہ کیا! گویا وہ منشی صاحب کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھانے چبانے لگی! اور جب اس خون آشام کام سے فارغ ہوئی تو فرضی فتح کی خوشی میں زور سے نعرہ لگایا۔

اسکی ڈراونی آواز کانپتے منشی لطیف احمد تک پہنچا! سہما ہوا دل اور بھی سہما جو اسی بڑھی کلیجہ اُچھلا اور منشی صاحب بے اختیار پلنگ کے نیچے آرہے۔ گو زیادہ بلندی سے نہیں گرے تھے لیکن پھر بھی اچانک گرنا تھا، چوٹ آئی اور اچھی طرح آئی! وہاں کون تھا جو ہاتھ تھام کر اُٹھاتا! ناچار خود ہی سے اُٹھنا چاہا، مگر اُٹھا نہ گیا معلوم ہوتا تھا رحیمن سینے پر بیٹھی ہوئی خون چوس رہی ہے۔

اسوقت اپنی شخصیت و شہامت کا خیال بھی نہ رہا بے اختیار چیخ کر بیوی اور بچہ سے امداد طلب کرنا چاہی ہائے بُرا ہو خوف کا جسنے آواز بھی نکلنے نہ دی! اب منشی صاحب بالکل مجبور و بے بس تھے چیخے ہیں تو چیخا نہیں جاتا بھاگتے ہیں تو بھاگنے کی طاقت نہیں پاتے! وہاں پڑے رہنے میں جان کے لالے ہیں! آخر مجبور ہو کر کلمہ پڑھنے لگے۔ خدا کے پاک نام نے تھوڑا خوف کم کیا اب کیا تھا؟ دعا اور دعائیں اور سورتوں پر سورتے دم ہونے لگے۔

خدا خدا کر کے تھوڑی دیر میں حواس بجا ہوئے۔ زمین سے اُٹھے۔ کپڑوں کی گرد جھاڑی! آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا! اور اطمینان کر کے پھر پلنگ پر پہونچے!

ہنوز لیٹنے بھی نہیں پائے تھے کہ "ہڈیاں چبا ڈالوں گی" کی روح فرسا آواز کان میں پہونچی! دم گھٹنے لگا! مگر دانائی یہ کی کہ فوراً کھڑے ہو گئے! اور کوٹھری سے نکل کر دبے پاؤں بیوی کے پاس پہونچکر اُن کا بازو ہلایا۔

بیوی۔ جھلا کر۔ کیا ہے کیا ہے ایک تو یوہیں نیند اوڑی ہوئی ہے اُسپر تم پریشان کرتے ہو۔

منشی۔ دھڑکتے ہوئے کلیجے اور کانپتی ہوئی آواز سے! ارے غضب ہو گیا غضب۔

بیوی۔ خدا کی سنوار تمھاری باتوں پر کچھ کہو گے بھی کیا غضب ہو گیا!

منشی۔ وہ آگئی؟
بیوی۔ آنکھیں ملتے ہوئے۔ کون، کون!
منشی۔ ارے وہی دیوانی آدم خوار!
بیوی۔ کہاں ہے؟
منشی۔ دروازے پر کھڑی ہے۔
بیوی۔ اٹھکر۔ کیا کہتی ہے؟
منشی۔ بگڑکر۔ تمھارا سر۔
بیوی۔ انگڑائی لیتے ہوئے! کیا دروازے پر آگئی ہے؟
منشی۔ ارے ہاں! ہاں، دروازے پر، کیا تمھیں اسکی آواز سنائی نہیں دیتی؟
بیوی۔ کب سے کھڑی ہے؟
منشی۔ بہت دیر سے کھڑی ہوئی بوٹیاں نوچ رہی اور ہڈیاں چبا رہی ہے! تم تو گھوڑے بیچکر سوتی ہو! رات بھر میں چاہے کوئی مرے یا جیئے تمھیں خبر نہیں ہوتی!

(۹)

جان دیدی

منشی لطیف احمد کی قابل زوجہ، رحیمن سے تو بالکل نہیں ڈرتی تھی! لیکن اسکی وحشت سے بہت خوف زدہ تھی اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا! ہر ذیہوش و تمیز دار دیوانوں سے ڈرتا ہے۔ دیوانوں کا اعتبار ہی کیا؟ وہ اپنی طبیعت کے خود اختیار بادشاہ ہوتے ہیں! اور پھر ایسے دیوانے جو خون کے پیاسے ہوں۔ جیسی رحیمن، کہ تصور میں بھی منشی جی کا گوشت نوچتی اور ہڈیاں چباتی ہو! تاہم اسے یقین تھا کہ میں تقریر میں ضرور رحیمن سے بازی جیت لونگی وہ اپنے آپ کو بہت بڑا مقرر اور فصیح سمجھتی تھی!

بیوی۔ اچھا چلو میں اس سے دو دو باتیں کرلوں!

یہ نہایت خطرناک ارادہ تھا! منشی جی تلوار پر گلا رکھدینے یا آگ میں پھاند پڑنے کو آسان سمجھتے تھے۔ لیکن اس ڈائن (رحیمن) سے دوبدو ہونا مشکل اور لوہے کے چنے تھے! انکے دل پر رحیمن کا رعب غالب آچکا تھا!

منشی - نہین ہُلّو یہ ارادہ اچھا نہین!

منشی جی کی زوجہ کا نام حلیمہ تھا لیکن وہ محبتانہ ہُلّو کہکر مخاطب کرتے تھے! اور وہ پاک نفس خاتون میانکے اس خلوص سے خوش ہوتی تھی!

اُس نے تعجب آمیز نگاہون سے منشی جی کیطرف دیکھا۔ حقیقت مین بڑی حیرت کا مقام تھا منشی جی نے اپنی دانشمند وفادار بیوی کی مخالفت مین کبھی زبان نہین کھولی تھی! نہ بیوی کو بھی خیال تھا کہ میان جو سیکڑون ہزلدون سے نہین ڈرتے تھے وہ ایک نحیف و ناتوان، ہشت استخوان دیوانی عورت سے مرغوب ہو جائینگے! جو پھونک مارنے سے اُڑ سکتی ہی! اُس نے پھر اپنی راے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"نہین لطفو تم مجھے ضرور اُس سے دو باتین کر لینے دو"

لطیف احمد کی مناسبت سے یہ میان کو لطفو کہا کرتی تھین! مگر اسوقت، جب کسی بات پر خاص طریقے سے میان کو دبا کر مجبور کرنا ہوتا تھا!

اب منشی صاحب مین انکار کی طاقت نہ تھی! اور اقرار مین اپنی بہتری مقصود تھی! وہ سمجھتے تھے کہ بیوی کے ساتھ مجھے بھی جانا پڑے گا! اور رحیمن کا سامنا گویا شیر کا سامنا تھا جسکے خیال سے اُن کی روح صلب ہوئی جاتی تھی!

منشی صاحب نے ایکبار پھر دل کڑا کرکے بیوی کو اس خوفناک قصد سے روکا! مگر شجاع بیوی اگرچہ دل ہی دل مین خود بھی سہمی جاتی تھی لیکن بظاہر اس نے اپنے پاے استقلال کا ڈگنا گوارا نہ کیا!

اُسے بات کا بہت خیال رہتا تھا جو زبان سے کہدیا! کہدیا! پھر چاہے سر جائے یا رہے مگر وہ قول سے بے قول ہونے والی نہین!

بیوی کھڑی ہو گئین! چار و ناچار منشی جی کو بھی جلو مین چلنے کو آمادہ ہونا پڑا! دونون میان بیوی دبے پانؤن ڈیوڑھی کی طرف بڑھے! آدھی رات کا عمل تھا! سارے گانؤن مین خاموشی کا تسلط تھا! کبھی کبھی کوچہ گرد کتون کے بھونکنے کی آواز سُنائی دیجاتی تھی! یا رحیمن کی روح فرسا صدا تھی جو غافل سونے والونکو بھی بغیر چونکائے نہین رہتی تھی! میان خلیل آج ایسا بیہوش سوئے تھے کہ شاید صور سرافیل بھی نہ جگا سکتا!

دونون میان! بیوی کے کلیجے کانپ رہے تھے اور دل لرز رہا تھا! بہت ہی آہستہ آہستہ دونون دروازے کے پاس پہونچے اور دراز سے باہر کیطرف جھانکنے لگے!

رحیمن کی دھندلی مورت سامنے ہی نظر آرہی تھی! اُس کی سانس زور زور سے چل رہی تھی جس سے بھیانک سناٹے کی آواز پیدا تھی! سوکھے سوکھے ہاتھ پانون، اور ہڈیان نکلا ہوا چہرہ! دنیا بھر کی خوفناکی اور بھیانکپنے کو لئے ہوئے تھا! اسکے ہاتھ مین درخت کی ایک ٹہنی تھی! جسے وہ منشی لطیف احمد کے جسم کا ٹکڑا سمجھکر نوچ کھسوٹ رہی تھی! کبھی کبھی منشی جی کا نام لیکر زور سے ہانک لگا رہی تھی!

اُس نے اپنا تمام سرمایہ دیکر منشی جی سے اُنکا بغض خریدا تھا۔ لیکن یہ سودا اُسے راس نہ آیا جسطرح منشی جی نے اپنی خوش نیتی سے اُس کا روپیہ بغیر ڈکار لیے ہضم کر لیا تھا اسی طرح اُن کی عداوت نے بیچاری کا خون و گوشت جلا ڈالا تھا! اور اب اسمین ہڈی و چمڑے کے سوا کچھ بھی نہ تھا پھر بھی خدا جانے کیا بات تھی کہ اس سے سب لوگ ڈرتے تھے اور کسی کو اُسکے پاس جانیکی ہمت نہ پڑتی تھی!

وہ مردہ تھی اور مردون سے زندہ ڈرتے ہین۔ اندھیرے گھر مین چلے جانے سے باک نہین مگر قبرستان مین رات کو روشنی لیکر بھی جایا نہین جاتا! حالانکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ مردے قبر سے نکل نہین سکتے تاہم طبیعت کی کمزوری ڈرا دیا کرتی ہے!

منشی جی اپنی زوجہ کے پیچھے تھے! لیکن رحیمن کو باین ہیئت کذائی! ملاحظہ کرکے ڈر گئے اور اگر رسم مروت و محبت مین جکڑے نہ ہوتے تو بیوی کو وہین چھوڑ کر فرار ہو جانا کچھ دور نہ تھا! اُنھون نے بھاری آواز اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔

"ہُو مین نہ کہتا تھا کہ اسوقت وہان چلنا ٹھیک نہین"

بیوی خود حواس باختہ تھین! یہ بات تو اُنکے خواب و خیال مین بھی نہ تھی وہ تو ابھی تک رحیمن کو وہی رحیمن سمجھے ہوئے تھین! جو چند روز پیشتر دنین کئی کئی مرتبہ اُنکے گھر مین آکر سودا سلف لایا کرتی تھی۔ اسوقت تو اُسمین ڈرا دینے والی قوت کا ایک بھی اثار نہ تھا! بالکل غریب بگل سیدھی جیسے گائے ابتو وہ عورت سے چڑیل بنگئی ہے! اُسکی آنکھون سے آگ برس ہی ہے۔ کسی انسان کا تو یہ دل و گردہ نہین کہ اس خونخوار دیوانی کے مقابل ہو! اُس نے دبتی ہوئی زبان سے کہا۔

"وہان لطفو مین ایسا نہ جانتی تھی"

منشی۔ پھر اب کیا ہو؟

بیوی۔ اسے یہان سے ٹالنا چاہیئے!

منشی - ٹالنے کی کیا تدبیر ہے؟

یہ ایسا دقیق سوال تھا جسکا جواب بغیر سوچے سمجھے اور غور کیے ہوئے دیا ہی نہین جا سکتا بیوی سر جھکا کر سوچنے لگین منشی جی اپنی طرف سے بیگریان ہو گئے!

واضعین خواتین کو قانونی مسودہ تیار کرنے مین بھی اتنا غور و خوض نہ کرنا پڑتا ہوگا! فلسفی حل طلب عقدون کو آسانی سے حل کر دیتا ہوگا لیکن یہ مسئلہ ایسا پیش ہوا تھا جسے طے کرنے مین ہمارے عالم فاضل منشی جی کی عقل چکر مین پڑی تھی اور انکی دانشمند زوجہ کی ساری دانشمندی کرکری ہو رہی تھی۔ تلوریے کو تو ارسے اور عالم کو علمی نکات سے نیچا دکھایا جا سکتا ہے مگر دیوانون کا کیا علاج؟ اُنسے کہین تو کیا، اور لڑین تو کیونکر؟

ساری رات ان بزرگون کو اسی سوچ بچار مین کٹ گئی۔ مگر تدبیر نہ سوجھی! آسمان پر صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تارے ڈوبے! ماہتاب کے رخسار زردی چھائی۔ چڑیان آشیانو مین چہکار اٹھین، لیکن رحیمن منشی جی کے دروازے سے نہ ٹلی! وہ برابر پٹون سے ٹیکی باندھے بیٹھی رہی! اس کا جنون آندھی کی طرح بڑھ رہا تھا!

منشی جی سے کبھی عدالت کا جانا ترک نہ ہوا تھا۔ وہ نازک سے نازک وقتو مین بھی اپنے تقسیم شدہ اوقات کے پابند رہے تھے والدہ کا دم دھکڑ پھکی مین تھا۔ اور منشی جی عدالت مین۔ باپ کو فکر لگا ہوا ہے۔ اور منشی جی ایک موکل سے مقدمے کی گفتگو مین مصروف ہین۔ لیکن رحیمن آہ رحیمن کا ایسا خوف تھا کہ انھین آج عدالت کے جانے مین کلام تھا انھین رہ رہ کر دیوانی عورت پر غصہ آتا تھا اگر غریب آزاری اور مظلوم کشی کا خیال ہاتھ نہ پکڑتا تو وہ مغلوب الغضب ہو کر اُسکی ناپاک ہستی کا خاتمہ کر دیتے۔ لیکن مجبور تھے کہ رحیمن مکر زد عورت تھی اُسپر ہاتھ اُٹھانا بزدلی اور کمینے پن کی دلیل تھی!

ٹلک پر صبح کے آثار نمایان دیکھکر حلیمہ کو بھی تشویش نے آگھیرا۔ اگر یہ حاضرہ نہ اُٹھا تو گھر کا دھندا موقوف کارہائے خانگی بند۔ قصبہ مین گھر گھر یہ خبر پھیل جائیگی کہ رحیمن نے منشی جی کے دروازے پر دھنا دیا ہے۔ جمن موذی کی جورو کو ہیسنے کا موقع ملجائیگا۔ برادری والے الگ مطعون کرکے حقہ پانی بند کرا دینگے ہر جس معرکہ کو بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے جیتا ہے ذرا دیر مین رحیمن سر کر لیگی! اُسے بڑی غیرت آئی اور چاہا کہ دروازہ کھول کر رحیمن سے مباحثہ شروع کرے لیکن منشی جی نے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا، وہ نہین چاہتے تھے کہ اُنکی جان نثار بیوی کسی خطرے مین پڑے!

بیوی - مجھے دو باتین کر لینے دو -
منشی - وہ اپنے ہوش مین نہین ہے -
بیوی - نہ ہو -
منشی - مین ڈرتا ہون کہین تمھارے چوٹ چپیٹ نہ آجائے -
بیوی - تم بالکل نہ ڈرو -

بیوی نے دروازے کی کنڈی کھولدی میان کا کلیجہ زور زور دھڑکنے لگا - بھڑے ہوئے پٹ کھلے اور حلیمہ نے باہر کیطرف سر نکالکر کہا -

بیوی - کون ہے -
رحیمن - ملک الموت !
بیوی - یہان کیون بیٹھی ہے ؟
رحیمن - منشی جی کی ہڈیان چبانے کو !

خدا کی پناہ منشی لطیف احمد کی روح کانپ گئی ! خدا جانے کس قسم کی عورت ہے جو انسانی ہڈیان چبانے کا ارادہ رکھتی ہے بھوت پریت بھی صدقے سیلے لیکر ماں جاتے ہین لیکن آدم خوار انسان کی بھوک بغیر آدمی کی ہڈیان چبائے نہین جاتی - انھون نے چپکے سے اپنی بیوی کے کان مین کہا ،،

منشی - جانے بھی دو آپ ہی چلی جائیگی -
بیوی - تم دیکھو تو سہی، مین کیا کرتی ہون ؟ (رحیمن سے) مین بڑے دانت توڑ کر اور زبان کھینچ لونگی !

رحیمن نے زور سے سوکھا ٹھٹھا لگایا ! اور حلیمہ نے ندامت سے سر جھکا لیا اسکی نسانی بیکاریابت ہوئی اس نے اپنی شکست سے ناراض ہو کر کہا -

بیوی - کچھ دیوانی ہوئی ہے -
رحیمن - یہ بھی سہی -
بیوی - آخر کب تک پڑی رہے گی ؟
رحیمن - جب تک موت نہ آئے یا منشی جی کی ہڈیان نہ چبالون !

میان کی نسبت ایسے الفاظ کا سننا کم از کم اسکے لیے ضرور شرمناک تھا - اسکے خونین اُبال آیا

اور غصہ مین بھری ہوئی غضبناک شیرنی کی طرح رحیمن پر جھپٹی، مگر اُسے ذرا بھی خوف نہوا۔ منشی جی کی زوجہ کو سامنے دیکھکر رگ انتقام کو حرکت ہوئی اور وہ ہڈیان چبانے کے شوق مین جذبہ حیوانی کے ساتھ ہانک لگاتی ہوئی اُٹھی۔

دونونکی نگاہین چار ہوئین کوئی چیز بجلی کیطرح حلیمہ کے رگ و پٹھے مین دوڑ گئی غصہ نے دست و پا مین جتنی حرارت پیدا کی تھی دفعتًا غائب ہوگئی، غضب کے بدلے ندامت اور جوش کے عوض کمزوری تھی جسے حلیمہ نے محسوس کیا! اسنے بہت چاہا کہ معرکے مین قدم جمے رہین لیکن ہمت نے ہاری بولدی استقلال نے ساتھ چھوڑ دیا!

اُدھر تو وہ پیٹ موڑ کر بھاگی اور اِدھر رحیمن کا سُوکھا ہوا ہاتھ اُسکے آنچل پر تھا۔ وہان حلیمہ کے مُنھ سے خوفناک چیخ نکلی اور یہان رحیمن نے ہڈیان چباؤن گی! کی ہانک لگائی!

منشی لطیف احمد نے اس جنگ کا معائنہ کیا۔ لیکن وہ غریب اپنی مغلوبہ بیوی کی کیا مدد کر سکتے تھے؟ انکے دل پر تو پہلے ہی سے رحیمن کے رُعب دبدبہ کا نقش بیٹھ چکا تھا۔ سب سے پہلے وہ لڑکھڑا کر گرے اور اُنکے اوپر اُنکی فراری زوجہ جو اسی سے تشریف لائین اور آخر مین رحیمن اپنے دبدبہ کے ہلاک کیے ہوئے نیم مردہ ڈھیر سے ٹھوکر کھا کر گری!

دھڑپٹک کے دھماکون، اور گھگھی کی آواز سے میان خلیل کی آنکھ کھل گئی۔ سر اُٹھا کر جو دیکھا پہلو مین والدہ کا پایا نہین ہمیشہ سے مزاج مین تحقیق و جستجو کا مادہ تھا جو ہر ایسے ہونہار بچون مین ہونا چاہیے بستر سے اُٹھے! باپ کو بھی دالان سے غائب پایا! اور بھی فکر بڑھی! دالان سے صحن سے ڈیوڑھی مین تشریف لائے۔

یہان جو پر لطف منظر دکھائی دیا اُس سے بہت کچھ فرحت حاصل ہوئی اُنکی آنکھین ایسے کھیل تماشون کی عادی تھین! پہلے تو خاموش کھڑے مسکرایا کیے! لیکن جب والدین کی خوف زدہ نگاہون نے سفارش کی تو کوڑے سے کچھ ڈھیلے، چند اینٹونکے ٹکڑے (جن کا اسٹاک پہلے ہی سے ایسے موقعونکے لیے دوراندیش صاحبزادے نے جمع کر لیا تھا) اُٹھا کر اپنی قدر اندازی کا ثبوت دینا شروع کیا! لاکھ کچھ ہو پھر بھی میان خلیل صاحبزادے ہی تھے جوش مین انھون نے والدین کا بھی خیال نکیا بعض بعض نشانون سے ان ہر نیمت خوردونکو بھی مجروح کیا۔ مگر خمونکی کثرت رحیمن کے خشک جسم پر زیادہ تھی اور ہونا بھی چاہیے۔ چاند ماری تو وہی تھی! ہان اگر وہ سپر بنکر لطیف احمد اور حلیمہ خاتون کے جسمون پر چھا نہ جاتی تو اُن دونون کو بھی اپنے شجاع بیٹے کی تیز دستیون کا مشکور ہی اقرار کرنا پڑتا!

رحیمن میں اب بڑی چڑے کے سوا رہ ہی کیا گیا تھا؟ رگوں میں چند قطرے خون کے دوڑ رہے تھے۔ وہ بھی منشی لطیف احمد کا گوشت نوچنے اور ہڈیاں چبانے کی آرزو میں کھولتا ہوا میاں خلیل کی ڈھیلے بازی کی نذر ہو گیا جو نحیف و کمزور ہستی تھوڑی دیر پہلے دو طاقتوں کو زیر کر چکی تھی خلیل کی جنگی تدبیروں سے مغلوب ہو گئی! اسنے اپنے شکار کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا! وہ اُٹھی مگر اسطرح جیسے ایک مغلوب سپاہی کو اُٹھنا چاہیے۔ اُس کا سارا جسم مجروح تھا زخموں سے تازہ تازہ خون بہ رہا تھا

اب خلیل کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ وہ دوڑتا ہوا پھر اپنی کوٹھری میں گیا اور چراغ اُٹھا لایا۔ ابھی غریب رحیمن دروازے سے باہر ہی ہوئی تھی کہ اُسے خلیل کی گرم مزاجیوں کا مزا بھی چکھنا پڑا! صاحبزادے نے جھپٹ کر اسکے کپڑوں پر تیل لنڈھا دیا اور جلتی ہوئی بتی کا سر پکڑ کر دامن سے ملا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رحیمن بھڑکتے ہوئے شعلوں میں چھپ گئی۔

مدت سے دل، جگر، پہلو میں پڑے جلا کرتے تھے۔ آج وہ آگ اُبھر آئی جیسے مٹی کے تیل نے اور بھی قوی کر دیا اب رحیمن کو قرار نہ تھا! وہ میدانوں میں ناچی ناچی پھرتی تھی۔ مگر اسوقت کون تھا جو اسکی مدد کرتا! منشی لطیف احمد اور انکی زوجہ اپنے حواس میں نہ تھے۔ میاں خلیل نے خود ہی یہ پھلجھڑی چھوڑی تھی! انھیں کیا پڑی تھی جو اپنی آتشبازی پر پانی چھڑک کر مزا ٹھنڈا کرتے؟

نتیجہ یہ ہوا کہ غریب رحیمن تلملاتے تلملاتے کنوئیں میں جا گری! اگرچہ اسکے پانی نے ذرا ترسی کر کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو تو ٹھنڈا کر دیا لیکن کنوئیں کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر گرنے سے سر پھٹ کر بھیجا نکل پڑا اور اسطرح اُسکی المناک ہستی کا خاتمہ ہو گیا۔ جو کام منشی لطیف احمد سے نہو سکا تھا اُسے لائق فرزند نے بحسن و خوبی انجام دیا! ع

مردے از غیب بروں آرد و کارے بکند

(۱۰)

آغاز انتقام

رحیمن مر گئی اسکی روح جہان سے آئی تھی وہاں پہنچ گئی! دن چڑھے جب عورتیں پانی بھرنے آئیں اور ڈول کنوئیں میں ڈالا گیا۔ تو اطلاع ہوئی، قصبہ کے رحمدل مردوں نے لاش نکالی، مگر کسی کو خیال بھی نہ ہوا کہ اسکی جان کیونکر گئی؟ وہ دیوانی تھی۔ سب اُسے پاگل سمجھتے تھے۔ میاں خلیل نے اس اتفاق سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ رحیمن نے جوش جنون میں اپنے کپڑوں پر تیل چھڑک کر

آگ لگا لی! اور پھر شعلوں کی حرارت سے بیچین ہو کر کنوئیں مین پھاند پڑی!

انسانی دماغ غلطی کر جاتے ہین! دنیوی عقلین مغالطے مین پڑ جاتی ہین! مگر وہ سب سے بڑا دانشور و عقلمند حکیم (خدا) کبھی دھوکا نہین کھاتا! وہ ہر راز کے لم شمجھتا! اور ہر چھپی ہوئی بات کو دیکھتا رہتا ہے۔ اُسکا انتقام گو دیر گیر ہے۔ مگر سخت گیر ہوتا ہے! اگر کاج خلیل نے عوام کی غلط خیالی سے فائدہ اُٹھا لیا تو کیا؟ کل سے غیبی قصاص کا دروازہ کھل جائیگا۔ منتقم حقیقی سے جعل فریب نہین چل سکتا۔

مسلمان قصابا توں نے رحیمن کا گور گڑھا کر دیا۔ اُسکی مٹی سوارت ہو گئی! اسکا کوئی فاتحہ درود کرنے والا نہ تھا جو دسوان بیسوان ہوتا جسطرح چندے سے میت اُٹھی تھی اسیطرح مسجد مین پھول بھی ہو گئے،

اب منشی لطیف احمد کو کوئی خوف نہ تھا! رحیمن دنیا کے پردے پر نہ تھی جو اُنھین ستانے آتی۔ لیکن تازہ واقعہ تھا دلون پر خوف اب بھی سکہ جمائے تھا، جو عورت زندگی مین ایسی مہیب ایسی خوفناک تھی وہ مرنے کے بعد ضرور بھوتنی بنے گی، جسے زندگی مین اتنی عداوت تھی کہ ہڈیان چبانے اور گوشت نوچنے کی حسرت رکھتی تھی تو مرنے کے بعد یقیناً انتقام لیگی اور یہ انتقام جینے کے تقاضے سے زیادہ سخت و مصیبت انگیز ہو گا۔

اس خیال سے منشی لطیف احمد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اُنھون نے کسی قدر گردن اُٹھا اور سینہ بلند کر کے ایک لمبی لمبی سانس لی پھر خود ہی اُس خوف کو بدلائل رد کرنے لگے،

"اُنہہ، یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے۔ کوئی مرکر بھوت پریت نہین بن سکتا۔ چریلون کے قصے، من گڑھت اور بھوتوں کی کہانیان جھوٹی ہین (کچھ سوچ کر) خوب یاد آیا، منگلو دھوبی نے اُسروز ایک نٹ کا واقعہ بیان کیا تھا۔ مگر تحقیق کرنے سے محض بے بنیاد، اور خیالی ثابت ہوا، بھاگ بھری مہترانی دبکر مر گئی تھی کچھ وہمی لوگون نے مشہور کر دیا کہ، وہ رات کو نکو گھورے پر جھاڑو دیا کرتی ہے! جمن قصائی، (بھاگ بھری) کا آشنا ایک مرقعہ باز، رات بھر اُسکے اشتیاق مین وہان بیٹھا رہا۔ مگر نہ تو کسی نے جھاڑو دی نہ ٹوکرا پھینکا۔ خواہ مخواہ، ڈرانے کو لوگ ایسی روایتین مشہور کر دیتے ہین،

سارا دن منشی لطیف احمد کو اسی سوچ بچار مین گذر گیا، ڈیوڑھی مین گرنے سے جو چوٹ آئی تھی وہ تو آئی ہی تھی۔ لیکن صاحبزادے کی ڈھیلا بازی نے منشی جی کے سر کو سخت صدمہ پہونچایا تھا۔ کاش خون فاسد کے چند قطرے نکل جاتے تو اتنی تکلیف نہ ہوتی، گومڑہ پڑ جانے نے بالکل ہی بیکار کر دیا۔

بیوی کے کوسنے کمر تور رحیمن کی دست درازیون سے پھوڑا ہو رہے تھے اُس پر چند چھیلتے ہوئے ڈھیلون نے اور بھی بھوڑا کر دیے تھے، میان خلیل بھی کچھ سہمے ہوئے رہتے۔ اس لیے آج کسیکو باہر جانیکی جرأت نہوئی!

بیماری دُکھی مین کھانا خود ہی نہین کھایا جاتا۔ پکانے کی کیا ضرورت تھی۔ خلیل کو جب بھوک لگی تو اُس نے بانس لکڑی چبا کر پانی پی لیا،

دن تمام ہوا۔ رات آئی تو اپنے ساتھ دُنیا بھر کے ڈراونے خیال کو بھی سمیٹے لائی۔ خلیل ڈرا تو حق بجانب تھا۔ بچے ڈرتے ہی ہین۔ منشی صاحب سے اُٹھا ہی نہ جاتا تھا اور نہ وہ ڈرنے والے اسامی نہ تھے۔ بیوی عورت ذات تھین۔ وہ رات تینون آدمیون نے ایک جگہ بسر کی، خوف کا پارا کس درجہ پر تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ بس اتنا لکھنا کافی ہے کہ وہ جتنے شجاع تھے اتنا ہی ڈرے بھی!

دوسرے دن بیوی نے صاحبزادے کو بدقت تمام راضی کرکے باہر بھیجکر کچھ سودا سلف منگایا اور چولھا گرم ہوا مگر اُنھین چین نہ تھا۔ اُنکے دلون پر بے معنی بے بنیاد اور نہمل خوف طاری تھا رحیمن کی دلشکن آوازین کانون مین بسی ہوئی تھین۔ رات تو رات دن کو چوکی پر بھی تنہا جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ در و دیوار مین رحیمن کی صورت نظر آتی تھی،

کئی دن ہو گئے تھے کہ عدالت کا صحن منشی جی کے لیے آغوش کشادہ تھا۔ لوگ اُنھین یاد کر رہے تھے۔ کیونکہ اُنکے بغیر کام مین لطف نہ آتا تھا۔ مگر یہ توفیق کسی کو نہ ہوئی کہ اُنکے دولتسرا پر حاضر ہو کر صحت و عافیت دریافت کرتا سچ ہے دنیا بڑی خود غرض و مطلب پرست ہے۔ ہمدردی احسان شناسی عنقا ہے جن لوگون نے اس وحید عصر عالم جید کے چشمۂ علم سے فیض پایا ہے وہ بھی اس اڑے وقت مین پاس آنے سے پرہیز کرتے ہین۔ مالی امداد تو ایک طرف ہاتھ پانون سے بھی خدمت کرنے مین پہلوتہی کو دخل دیتے ہین۔

منشی جی کو خانہ نشین ہوے ایک ہفتہ گذر گیا۔ آمدنی کے دروازے محدود، اور روز کے خرچ مین اضافہ ہو گیا۔ پہلے خود بازار سے سودا ٹاٹا دال خرید لاتے تھے۔ چیزین بکفایت ملتی تھین پیسہ کم اٹھتا تھا اور اب ادنے ادنے عورتون اور آوارہ گشت لونڈون کی خوشامد الگ کرنا پڑتی ہے اور پیسے دھیلے کا نذرانہ جدا ادا کرنا ہوتا ہے۔

اپنے پیسہ کا درد اپ ہی خوب ہوتا ہے دوسرون کو کیا معلوم پیسہ کس مشقت سے پیدا کیا جاتا ہے لانے والے نہ تو چیز چکاتے ہین نہ ہوشیاری سے تولواتے ہین۔ دو کاندار تے جو مزاج مین آیا دام بتائے اور جسطرح جی چاہا تول ناپ کر حوالے کر دیا۔ رحیمن مر گئی لیکن اُسکے منحوس اثر جان نہین چھوڑتا!

ایک روز سوے اتفاق سے کپنی مین تیل بھر نا یاد نہ رہا، رات ہوئی تو بیوی نے دیا سلائی سلگا کر چراغ جلایا تھوڑا بہت تیل موجود تھا وہ گھنٹہ سوا گھنٹے جلا! جب تیل نہ رہا تو بتی پر گل جمنا شروع ہوا اور تھوڑی دیر مین چراغ گل ہو کر اندھیرا گپ ہو گیا،

ڈرے ہوئے دلون نے اور بھی ڈرنا شروع کیا رفتہ رفتہ خوف کا احساس متشکل ہونے لگا معلوم ہوتا تھا رحیمن اپنے ساتھ دنیا بھر کی ملعون روحون کو لے آئی ہے جو پھٹی پھٹی آنکھون سے اس برگزیدہ خاندان کو گھور رہی ہین۔ انکے بڑے بڑے منھ سے نکلے ہوئے دانت گوشت نوچنے اور ہڈیان چبانے پر آمادہ ہین!

خلیل سہم کر مان سے اور مان ڈر کر شوہر سے چمٹین! یہان کیا تھا اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ ہو گیا منشی صاحب سمجھے ناپاک روحون نے دھاوا بول دیا۔ حواس باختہ تو ہو ہی رہے تھے بے اختیار اُچھل پڑے۔

انکے اُچھلتے ہی دامن پناہ مین آنے والے لڑکھڑا کر گرے! اور گرتے ہی گھبرا گھبرا کر فریاد کرنا اور محلے والون کو مدد کے لیے بلانا شروع کیا۔ لیکن منشی جی نے اول ہی سے وہ رویہ اختیار نہین کیا تھا جو اسوقت کی چیخین محلے والون کے کانون تک پہنچاتا۔ یہ گنبد کی صدائین پاس پڑوس کی دیوارون سے ٹکرا کر واپس آئین!

مجبوری کا نام شکر ہے! جب چیخے چیخے گلا پڑ گیا تو اب ایک نے دوسرے کو ٹٹولنا شروع کیا اندھیرے مین صورت نظر آتا تو دشوار تھا۔ لیکن قوت ادراک سے تمیز کیا اور ہاتھ مین ہاتھ ڈال کر برابر برابر سب بیٹھے۔

منشی۔ کانپتی ہوئی بلند آواز سے کیون جی کپنی مین تیل ہی نہین ہے یا کسی نے بڑھا دی؟

بیوی۔ کچھ سوجھکر۔ مجھے تو یاد نہین آتا۔

منشی جی کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی! شکر ہے ابھی تک چڑیلون اور بھوتونکے لشکر نے حملہ نہین کیا ابھی اتنی مہلت ہے کہ کپنی روشن کر لیجائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کپنی تک کیونکر پہونچین؟ اور کون جائے؟ چند منٹ پہلے کی تصویر ین فراموش نہین ہوئی ہین منشی صاحب نے تنہا اوٹھنے کا قصد کیا لیکن بیوی نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

منشی۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ دیکھون کپنی مین تیل بھی ہے یا نہین۔

بیوی۔ مین اکیلا نہ جانے دونگی۔

منشی ۔ توبہ تم بھی کیسی شکی عورت ہو۔ سچ ہے بودون کی صحبت بہادرونکو بھی بودا کر دیتی ہو!
بیوی ۔ انسان کے مقابلے مین انسان کی بہادری چلتی ہے۔ ہوسے لڑنا آدمیونکا کام نہین!
بات معقول تھی اور منشی صاحب منصف مزاج۔ اب کیا ہو؟ بڑی ردوقدح سے یہ طے پایا کہ تینون آدمی ایک ساتھ ٹٹولتے ہوے چلین۔ اس راے پر عمل ہوا جسطرح جمعرات کے اندھے فقیر دنکا قافلہ ہاتھ مین ہاتھ دیے بھیک مانگنے کو نکلتا ہے یہ متبرک خاندان چراغ کے پاس چلا!
کچھ اندھیرا کچھ خوف کی بدولت کبھی یہ مفرز قافلہ دیوار سے ٹکرایا تو کبھی چوکھٹ کی ٹھوکر کھائی۔ ہزار کوشش و جانکاہی طاق تک پہونچے! چراغ اُٹھاکر جنبش دی تو تیل کی بوند تک نہ پائی! یہ اور بھی سنگین مصیبت تھی۔ تیل بوتل مین۔ اور بوتل کٹھریا مین۔ بدقسمتی سے دیاسلائی کی ڈبیا بھی وہین تھی اگر وہ ہوتی تو یہ مہم بڑی سہولیت سے سر ہوجاتی۔ آخر منشی جی نے کلہاڑا! میان خلیل گنڈاسا۔ اور حلیمہ نے کھُرپی اُٹھائی اور اسطرح یہ سورما کٹھریا کیطرف بڑھے۔ راستے مین دو ایک مقام پہ منشی جی نے پھری کنکے کے ہاتھ چھوڑے صاحبزادے نے پٹے کے کرتب دکھلائے اور حلیمہ کمک کے لیے موجود رہی!
فن سپہ گری کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ پانی کے دو گھڑے شہید ہوگئے! ایک بانس کی کھٹیا مقتول ہوئی اور یہ فتحیاب بہادر پورے بانکپن کے ساتھ کٹھریا تک جا پہنچے!
کوٹھری کیا تھی منشی جی کی ساری کائنات کا مخزن تھی، اسلاف کا ورثہ، بزرگونکی نشانیان منشی صاحب کی گرہستی یہین محفوظ تھی، ایک طرف کچھ ٹوٹی مٹکیان رکھی ہوئی تھین۔ جنھین جنس کی مٹھورین سمجھکر فاقہ زدہ چوہے گھیرے رہتے تھے۔ آدمیونکے پانو کی چاپ سنکر کونے کھدرے مین دبک رہتے تھے اسوقت بھی کچھ چوہے ایک گوشہ مین گھڑے کے نیچے دبکے تھے۔
جب حلیمہ نے ٹٹول کر تیل کی بوتل تلاش کرلی اور کپی بھری جاچکی تو دیاسلائی کی جستجو شروع ہوئی مگر وہ روزانہ استعمال مین آنے کی وجہ سے یاد پر چڑھی ہوئی تھی۔ صرف طاق تک پہونچا تھا۔ منشی جی نے اس مشکل کو بڑی سہولیت سے آسان کرلیا۔ کپی جلائی گئی۔ روشنی ہوئی۔ اور ان بہادرون کی جان جان آئی۔
آگے آگے میان خلیل کپی لیے روشنی دکھاتے ہوئے چلے اُنکے پیچھے حلیمہ اور حلیمہ کے عقب مین منشی جی برسون سے کبھی شب کو کوٹھری مین روشنی نہین گئی تھی آج خلاف معمول روشنی ہونے سے چوہون کو ہول پیدا ہوا اور ایک ساتھ دس بارہ چوہے بھرا کر بھاگے جس سے مٹی کے ٹوٹے ہوئے گھڑے کنڈھک پڑے

کوٹھری مین ہوا کا بھی گذر محال تھا۔ پھر گھر دن کا کنڈھک جانا کیا معنی؟ منشی جی کا خاندان اس عقدے کو حل نکر سکا۔ اُنکی آنکھون! اُنکے دلون مین تو رحیمن بسی ہوئی تھی معاً خیال گذرا۔ کہ رحیمن آگئی! اُنکے ہاتھ پاؤن مین رعشہ پڑگیا وہ فولاد شکن ہتھیار (کلہاڑا گنداسا کھرپا) جوان صف شکن بہادرونکے ہاتھ مین تھے بیکار ہوگئے۔ ہوا پر اُنکا حربہ کیا اثر کرسکتا ہے!

اتفاقاً ایک موٹا سا چوہا اُچھل کر حلیمہ کے پاؤن پر گرا۔ اُسکے مُنھ سے خوفناک چیخ نکلی۔ بیٹے کی ماتا رہی نہ عاشق زار شوہر کا خیال۔ ہاتھ سے کھُرپا پھینک کر بھاگی۔ سامنے میان خلیل ایک ہاتھ مین کپّی اور دوسرے مین گنڈاسا لیے جارہے تھے۔ ماں اُنھین ڈھکیل کر جو بھاگی تو لڑکھڑانے سے کپّی اوپر اُلٹ گئی۔ کپڑے مٹی کے تیل مین لت پت ہوئے اور تیل نے آگ پکڑی!

جس عنوان سے صاحبزادے نے رحیمن کے جسم کے بھڑکتے ہوئے شعلون کا تماشہ دیکھا تھا اور خوش ہوئے تھے اُسیطرح اسوقت خود بھڑکتے ہوئے شعلونکی نظر ہوئے۔ یہی قدرتی انتقام جس سے کوئی قوت بچا نہین سکتی۔ چاہنے والی زمین پر پڑے پڑے دیکھ رہی تھی کہ اُسکے دل کا ٹکڑا جل رہا ہے مگر رحیمن کے خوف نے ہاتھ پاؤن کی قوت صلب کرلی تھی۔ شفیق باپ بھی ہونہار صاحبزادے کی امداد کرنے سے مجبور تھا۔ گھر مین پانی کا ایک لوٹا تھا لیکن اُس نے بھی مدد نہ کی منشی جی پانی تک پہونچے تو ضرور لیکن کچھ گھبراہٹ اور کچھ رحیمن کے خوف سے ایسی ٹھوکر کھائی کہ منھ کے بل زمین پر آرہے! اینٹ پر منھ پڑا اور سامنے کے دو دانت شہید ہوگئے اور خلیل دیکھتے ہی دیکھتے راکھ کا ڈھیر تھا!

(۱۱)

حلیمہ کی موت

خلیل نے جو کیا تھا اُس کا پھل پایا۔ مشار قدرت کے موافق انتقام لے لیا گیا، وہ رحیمن کو جلاکر دنیوی قانون سے ضرور بچ گیا لیکن منصف حقیقی کا انصاف چھوڑنیوالا نہ تھا،

قدرت کسی کو اپنے ہاتھون ہلاک نہین کرتی۔ خدا کی لاٹھی مین آواز نہین ہوتی! مگر غیب سے اسباب فراہم ہوجاتے ہین خلیل کو مرے ایک ہفتہ ہوگیا۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ منشی لطیف احمد اور حلیمہ کو کتنا افسوس ہوا، والدین اپنی اولاد کا جتنا غم کرسکتے ہین اُتنا ہی غم ان دونون میان بیوی نے بھی کیا۔

اُنکا اطمینان، چین اور آرمنی سب کچھ رحیمن اپنے ساتھ لیگئی خلیل کے حادثے نے آنکھین

کھولدین اور وہ دونون اپنی موت کو دیکھنے لگے! اب پچھتائے سے کوئی فائدہ نہین، ہونیوالی بات ہوچکی نامۂ اعمال مین جو لکھا جانے والا تھا کاتب اعمال نے لکھدیا فرد عمل سیاہ ہوچکی۔ اور انتقام کا دروازہ کھُل گیا۔

خطا کار اپنے سائے سے بھی ڈرتے اور حذر کرتے ہین! منشی جی اور حلیمہ کے لیے رحیمن ہی کیا کم تھی جو اب خلیل کا خوف بھی جانکا عذاب بن کر طاری ہوگیا۔ مکانکے گوشے گوشے سے دو ڈراونی صورتین نمایان تھین۔ گھر کے صحن مین میان خلیل آتشبازی کی چرخی بنے ہوئے نظر آتے تھے اور اندھیرے کونون مین رحیمن کی پرچھائین دکھائی دیتی تھی۔ وہی ہڈیونکا ڈھانچا۔ وہی کھڑے ہوئے سخت و پریشان بال۔ وہی وحشت ناک چہرہ۔ وہی لال لال ڈراونی آنکھین!

قصبہ بھر نے عداوت پر کمر باندھ لی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ اس صاحب فضل و کمال کی صحبت مین آنا چاہتے تھے لیکن بار نہین ملتی تھی یا ایک زمانہ ایسا آگیا کہ منشی لطیف احمد دوڑ دوڑ کر گھرونپر جاتے اور اُنھین اپنے یہان بُلانے کی خواہش ظاہر کرتے ہین لیکن کوئی نہین آتا! منشی جی کنڈی کھٹکھٹاتے ہین اور اندر سے آواز آتی ہے "اسوقت ملاقات نہ ہوگی"

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

روزگار کا یہ عالم ہے کہ نہ کبھی دیکھا نہ سُنا، جسکے سامنے حاجتمند حلقہ باندھے حاضر رہا کرتے تھے اب اُسے کوڑی کو نہین پوچھتے جسکے سامنے مقدمات کا سیلاب عظیم رہتا تھا وہی اب مایوسی اور کساد بازار کے کفدست رتیلے میدان مین یکہ و تنہا کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ جو نالائق جاہل ٹکے ٹکے پر عرضیان لکھا کرتے تھے اب مختار بن گئے ہین۔ بیوقوف اُجڈ گنوار اُنھین دیوتا سمجھکر پرستش کرتے ہین کمبخت جمنو جو صاحب کا املا ہمیشہ سین سے لکھا کرتا تھا اب بابو جمنا داس کے لقب سے مشہور ہے۔

آمدنی مفقود اور خرچ کی کثرت نے منشی لطیف احمد کو بہت پریشان کر رکھا ہے۔ ایک مہینا ہونیکو آیا عدالت کا منھ نہین دیکھا۔ خلیل کی وفات نے رہا سہا سرمایہ بھی برباد کرا دیا۔ کچھ نہین تو دس بارہ روپے دفن و کفن مین اُٹھ گئے۔ قصبہ کے لوگون نے کو اس موقع پر نفسانیت کا اظہار کیا لیکن منشی صاحب کو ناگوار نہ ہوا۔ کیونکہ سویم مین دعوت کی زیرباری اور شیرینی کی تقسیم سے بچے! پھر بھی ہزار طرح کے خرچ تھے جن سے جان چھُرانا مشکل تھی۔

منشی صاحب کے خاندان مین قدامت سے شیخ سدو کا بکرا ہوتا تھا۔ لیکن خود منشی صاحب نے اس فعل کو فعل عبث اور بدعت سمجھکر ترک کر دیا تھا مگر ضعیف الاعتقاد عورتین رسوم کی سختی سے

پابند ہوتی ہین! پہلے تو حلیمہ نے کچھ زیادہ نکتہ چینی نکی! وہ جانتی تھین بیکار بے محض سال مین تین چار روپیہ کا بکرا اور دو چار روپیہ ڈفالیونکی نذر کرنے سے کیا حاصل! لیکن خلیل کی اتفاقیہ وفات نے آنکھین کھولدین اور اُس راسخ الاعتقاد عورت کو پورا پورا یقین ہوگیا کہ شیخ سدو کی مار مین خاندان آگیا ہے اگر بکرا دیکر اس ولی اللہ کو خوش نکیا گیا، تو بہت جلد اس مبارک گھرانے کا خاتمہ ہو جائیگا کیسا کھیلتا مالتا لال چٹ پٹ ہوگیا! اُنھون نے منشی جی سے بکرے کے لئے کہنا شروع کیا!

منشی جی نے مالی حالت پر نظر کرتے ہوئے! بہت ٹال مٹول کی لیکن ٹھیری پسلی (عورت) کسیطرح سیدھی نہوئی ناقص العقل کی ہٹ مشہور ہے چار و ناچار منشی جی کو حامی بھرنا پڑی اخدا مغفرت کرے رحیمن کو اُسنے اپنے حصے مین آدھے سے زیادہ منشی جی کو شریک کرلیا تھا! اُنھین سات سو مین کا بچا کھچا سرمایہ تھا جو پہلے خلیل کی تجہیز و تکفین مین کام آیا اور پھر شیخ سدو کے بکرے مین اُٹھا!

جس گھر مین کبھی ماش کی دال یا بھجیونکے سوا کچھ نہ پکا تھا! آج پلاؤ قورمہ! اور پراٹھے پکائے گئے! ڈفالیونکے نصیب جاگے (شاید انکا بھی نام رحیمن کے سرمائے مین لکھا تھا) منشی جی کیطرف سے دعوت دیگئی، رات بھر خوب خوب گانے ہوئے۔ مرحبہ گیتون سے منشی جی کا مکان گونجا کیا!

وہ رات منشی لطیف احمد اور حلیمہ نے بڑے اطمینان سے بسر کی! کسی قسم کا خوف و خطرہ پیش نہین آیا۔ صبح کو جلسہ برخواست ہوا۔ معزز مہمان اپنے گھر گئے۔

آج دونون میان بیوی خوش تھے۔ دعوت کا رنگ بہت اچھا رہا! ڈفالیون نے میان بیوی کی خوش نیتی اور راسخ الاعتقادی کی داد دی۔ جو شیخ سدو کی خوشنودی مزاج کا سارٹیفکٹ تھا! ان دونون کو یقین تھا کہ اب گردش گئی صدقہ سے بلائین رد ہو جاتی ہین! منشی جی نے تو حاکم کی گور پر لات مار کر اتنی بڑی سخاوت کا اظہار کیا تھا کہ دیدہ نہ شنید! تین خبیث صورت و شیطان سیرت بڈھے ڈفالیونکو سیر کیا تھا! ساری رات تالو سے زبان نہ لگنے دی اسقدر چخوایا تب صبح ایک ایک روپیہ دودھ کا دھویا ہوا نذر کیا!

اب رحیمن کی خبیث روح نقصان نہین پہونچا سکتی! اب گھر مین آسیب کا خلل نہین ہو سکتا جس گھر مین شیخ سدو کے مریدونکا گذر ہو جائے وہان بھوت پریت کا قدم ٹکنا امر محال ہے! کاش منشی جی کو پہلے یہ خیال آجاتا تو خلیل کی لال سی جان بچ جاتی۔

ضیافت کے بعد والا دن پورے اطمینان سے بسر ہوا۔ دن بھر دل قوی رہا مگر رات ہونا قیامت ہوگیا! وہم و مخمصون نے چڑھائی کی! رات کی سیاہی کے ساتھ خوف بڑھنے لگا!

انسانی ہاتھ موج ہوا میں گرہ نہیں دے سکتا۔ لیکن خیال اور وہ بھی ڈرا ہوا خیال ضرور اتنی قدرت رکھتا ہے کہ ہوا پر ایک دُنیا نہیں، سیکڑوں دُنیائیں بنا ڈالے، واہمہ خلاق ہے وہ تاپیدا کو پیدا اور غیر موجود کو موجود کر دیتا ہے!

منشی لطیف احمد اور اُنکی وفادار بیوی ڈرے سہمے ہوئے برابر بیٹھے تھے! اور رات کٹنے کا سوال پیش تھا! بیچ سے دونے بالکل مدد نہ کی شاید وہ اس دعوت سے خوش نہ ہوئے! افسوس اُنھوں نے منشی جی کی پریشانیوں کا مطلق خیال نکیا! مگر اب کیا ہو؟ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا!

منشی جی نے دفع الوقتی کے خیال سے بعض عجیب و معرکہ خیز مقدمات تفصیل کے ساتھ بیان کیے اور اتنا طول دیا کہ بیان کرتے کرتے حلق سُوکھ گیا! مگر جاڑوں کی طویل رات نہ کٹنا تھی نہ کٹی آخر حافظہ نے ساتھ چھوڑ دیا!

اب حلیمہ کی باری تھی اُس نے قصے کہانیاں چھیڑیں لیکن آدھی رات سے پہلے اُنکا سلسلہ بھی قطع ہو گیا خاموش ہوتے ہی رحیمن کی خوفناک تصویر آنکھوں میں گھومنے لگی! دونوں آدمی راضی بقضا ہو کر لیٹ رہے مگر نیند کہاں؟ رحیمن نے دائمی خواب میں آلودہ ہو کر ان دونوں کی نیندیں اچاٹ کر دی تھیں!

رات بڑھ رہی تھی اور احساس خوف متشکل ہو کر ہو رہا تھا بہت دیر تک خاموشی ہی متشکل کچھ یوں ہی سی غنودگی آئی تھی کہ حلیمہ کو پیاس نے بیتاب کر دیا۔ پہلے تو اس نے ٹال مٹول کی لیکن پیاس ایسی چیز نہیں جو ضبط کر لیجائے! حلق میں کانٹے پڑنے لگے اور زبان خشک ہو کر منھ سے باہر نکل آئی۔ اُس نے دو تین مرتبہ آہستہ آہستہ "لطفو" کہکر پکارا۔ مگر وہ خود ہی سہمے ہوئے تھے جواب کیا دیتے مُسک مارے پڑے رہے! جب اُنکی جانب سے نا اُمیدی ہو گئی تو حلیمہ ڈرتی جھجکتی اُٹھی گھڑے کی گھڑونچی صحن میں تھی اور کوٹھی کی ٹمٹماتی روشنی وہاں تک پہونچنے میں قاصر تھی اس سے وہاں تک پہونچنا گویا رستم کے ہفتخواں کو طے کرنا تھا قدم قدم پر رحیمن کی دہشت تھی! مگر پیاس ہائے پیاس بُری چیز ہے جسنے حلیمہ کو اتنے خطر دل میں پڑنے پر مجبور کیا۔ وہ ابھی دہلیز ہی تک گئی تھی کہ معلوم ہوا! ایک سوکھا سا ہاتھ اُسکی پشت پر رکھا ہے۔ وہ رحیمن کا خیال کر کے پلٹا ہی چاہتی تھی کہ ایک خوفناک آواز یہ کہتے ہوئے سُنائی دی

"حلیمہ! حلیمہ تم میری زبان کاٹنے کو کہتی تھیں اب اپنی"

زبان کی خیر مناؤ"

"آہ یہ تو رحیمن کی آواز ہے، کیا وہ میری زبان کاٹنا چاہتی ہے؟ کیا مرنیکے بعد"

وہ آرزوے انتقام نے اُنمین اتنی قوت پیدا کردی ہو کہ وہ عالم برزخ سے عالم جسمانی مین آکر اپنے خونخوارانہ ارادون مین کامیاب ہو!!

یہ خیالات تھے جو آن کی آن مین بجلی کیطرح اسکے دل و دماغ سے گذر گئے۔ اُس نے متوحش انداز سے مڑکر دیکھا! آہ آتشین آنکھون اور خونخوار دانتون والی لبنی (رحیمن) اُسے دیدے پھاڑے گھور رہی تھی! ہاتھ پاؤن رعشہ پڑگیا منھ سے خوفناک چیخ نکلی اور وہ اُس طائر کی طرح جو شہباز کے چنگل سے چھوٹ کر بھاگے بے تحاشہ دوڑ پڑی! بدحواسی مین اور چیخ کا خیال نہ رہا خلیل کا سیگرین (ڈھیلے انٹین) انگنائی مین جمع تھا، ٹھوکر لگی اور منھ کے بھل زمین پر گری سر ایک پتھر کے ٹکڑے پر گرا، زبان شدت نشنگی سے باہر نکلی ہوئی تھی، گرنے سے دانتون مین دب کر کٹ گئی اور یون قدرتی انتقام پورا ہوگیا! یہی وہ زبان تھی جس سے رحیمن کی زبان کاٹنے کو کہا گیا تھا! اسوقت اُس کا سارا جسم پسینے مین شرابور تھا! منھ سے خون جاری تھا! اور زبان کا کٹا ہوا ٹکڑا زمین پر چھپکلی کی دم کیطرح پھڑک رہا تھا!

منشی جی نے حلیمہ کی خوفناک چیخ اور پھر گرنے کا دھماکہ سنا لیکن ڈر کے مارے آنکھین نہ کھولین ٹٹولتے ہوئے اُٹھے! جب دیوار پر ہاتھ پڑا! اُسے رحیمن کا سر ہاتھ سمجھکر سہم گئے! بہزار دقت و کوشش دروازہ ملا! انگنائی مین آئے اور حلیمہ کو کھینچ کھانچ کر اندر لائے! پنکھا پر اُٹھا کر لحاف اُڑھا دیا!

ساری رات حلیمہ نے آنکھ نہین کھولی اسی طرح تڑپتے تلملاتے گذری زخم کی تکلیف! رحیمن کا خوف! سیر غالب! صبح ہوتے ہوتے اندھا دھند بخار چڑھ آیا! دن کو منشی جی نے چھپ چھپ کر دوائیان کین! وہ خود حکیم حاذق تھے مگر عطارون کا کیا اعتبار وہ عرق بادیان کے بدلے بمبے کا پانی دیدیتے ہین اس خیال پر جنگلی بوٹیون پر اکتفا کی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری رات کو زہر باد ہوا! اور جسوقت خدا کی طاعت گذار مخلوق اپنے خالق کی بارگاہ مین سر عبودیت خم کر رہی تھی اور جہلملانے والے تارے ڈوب رہے تھے! حلیمہ کا ستارہ حیات بھی غروب ہوگیا!

(۱۲)

منشی لطیف احمد کا حشر

ظالمون سے جب غیبی انتقام شروع ہوجاتا ہے تو انھین دم لینے کی وار نہین ملتی خود اُنکے ہاتھ پاؤن اُنکی عقلین! اُنکے واسطے آلات حرب ہوجاتے ہین! رحیمن کو مرے ایک مہینا نہین گزرا تھا کہ خلیل

جلکر خاک سیاہ ہوا! خلیل کی وفات کو پندرہ روز نہیں ہوئے کہ حلیمہ داغ مفارقت دیگئی! اسکے دل میں رحیمن کا خوف گھسا ہوا تھا! بالآخر اُسنے جان لی!

منشی لطیف احمد کو اپنے ہونہار فرزند کا اتنا ملال نہیں ہوا تھا جتنا قلق حلیمہ کے انتقال کا ہوا! حقیقت میں حلیمہ کی موت منشی جی کے عیش و آرام، فراغت و اطمینان کی موت تھی! وہ جب عدالت سے تھکے ماندے گھر آتے تھے تو وفادار بیوی پکا پکایا کھلاتی تھیں! ہائے اب بدتمیز و فضول ہونکے تقاضوں کا منھ جواب کون دیگا؟ منشی صاحب کا وقار تو حلیمہ کی مدلل تقریروں نے قائم کر رکھا تھا! افسوس کینہ جو طبیعتوں کو انتقام لینے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا اور بیچارے منشی لطیف احمد بے یار و مددگار رہ گئے اُنکی طرف سے کوئی بولنے والا نہ رہا! بہ غم منشی جی کی جان کھائے جاتا تھا!

حلیمہ کی لاش اُٹھنے کو تو اُٹھی لیکن لاوارثوں کی طرح! رحیمن کا جنازہ بھی اس سے اچھا اُٹھا تھا! میت کے ساتھ سوگواروں میں پانچ آدمیوں کے سوا کوئی نہ تھا جسمیں مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی تعداد شامل ہے! عورت مرد ملاکر چار شخص پلنگ کے چاروں پاؤں پر تھے اور پیچھے پیچھے منشی صاحب سر و پا برہنہ گریاں چاک روتے ہوئے آخری منزل تک اپنی وفادار بی بی کو پہونچانے گئے!

قصبہ کی شریف نسبتی کی غیرت کو کیا ہو گیا تھا؟ کوئی خدا کا بندہ اتنا نہ نکلا کہ اس گاڑھے وقت میں منشی جی کی دستگیری کرتا کیا انھیں وہ احسانات یاد نہیں رہے جو منشی صاحب کے پُرزور قلم نے وقتاً فوقتاً کئے تھے؟ کیا منشی جی کی قانون دانی کا کوئی مرہون منت نہ تھا؟ افسوس صد ہزار افسوس! نامدار شناس نفوس نے اس صاحب فضل و کمال کی بالکل قدر نکی اور ایسے گوہر بے بہا کو ہاتھوں سے گنوا دیا جسکی مثال شاہان عالم کے خزانوں میں نا پید ہے!

حلیمہ خاتون! نہایت بیحد وفادار و پاکباز حلیمہ خاتون، مرگئی! اور اب سیکڑوں من مٹی کے نیچے دبی پڑی ہے۔ اسکی شیریں بیانیاں منقی نکات دلپذیر نقش ہیں! الہ دے قصائی اسکی سیف زبانی کا لوہا مانے ہے۔ چھٹکی کبڑن اسکی پر مغز دلیلوں کی قائل ہے۔ مگر وہ چمکتا ہوا بلبل وہ ہزار داستان اب کہاں؟ اسکی نوا سنجیاں ختم ہو گئیں وہ دوسرے عالم میں منتقل ہو گیا دیکھنے والے اُسے دیکھنے کو ترسیں گے اور سننے والوں کے کان اُس آواز کو ہمیشہ یاد کرینگے۔ مگر وہ پلٹ کر نہ آئے گی!

منشی جی میت کو دفن کر کے پلٹے تو گھر کی تنہائی کاٹنے دوڑی۔ گوشہ گوشہ نے بیوی کی یاد تازہ کر دی چولھا بے مرمت پڑا تھا! برتن بے ترتیبی سے بکھرے تھے۔ مگر انھیں ترتیب سے لگانیوالا نہ تھا حلیمہ کے بیٹھنے کی جگہ سنسان پڑی تھی۔ گودڑ کیطرح بستر کونے میں ڈھیر تھا منشی صاحب کے

سینے میں دریائے غم نے جوش مارا! لبوں پر جانسوز آہیں تھیں اور آنکھوں میں گرم گرم آنسو۔ کسی بات میں دل نہ لگتا تھا! ہائے کیسے خراب دن آگئے تھے؟ صدقہ سے بلائیں رد ہوتی ہیں کہاں دو جانوں کی قربانیاں ہوگئیں لیکن نزول بلا کم نہیں ہوتا! دل دماغ وقف خوف و رجا ہیں! مرنیوالے اچھے رہے کہ جان دیکر ہمیشہ کے لیے قید مصیبت سے آزاد ہوگئے اُنکے دامن تک رحیمن کے ناجائز خوف کا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا! مگر منشی لطیف احمد اُسی سیب میں مبتلا ہیں! قبضے والوں نے اُن سے پہلے ہی ترک موالات کر لیا تھا! عدالت سے تحکا وصول نہیں ہوتا! بیوقوف موکل طلاء کو چھوڑ کر مس پر گرے پڑتے ہیں احباب کے دروازے اُنکے واسطے مسدود تھے! بیوی بچوں نے انکے ساتھ دنیا اور حیات دنیا نے بھی بائیکاٹ کر دیا! اب دل بہلنے کا کوئی شغل باقی نہیں! گھر میں گوشۂ قبر کی تنہائی اور دیرانے کا سماں تنہا پا کر خیالات پریشان اور بھی پریشان کرتے ہیں! دن تو خیر اچھی طرح کٹ جاتا ہے آدمی نہیں تو اُنکی آوازیں کان میں پڑ جاتی ہیں لیکن رات ہائے رات کٹنا مشکل ہو جاتا ہے بفضلہ منشی جی سخت جان نہ ہوتے تو بہت جلد جام آتشین کے بدلے ساغر موت پی کر المست فنا ہو جاتے!

کوئی رات ایسی نہیں آئی جسمیں منشی صاحب کم سے کم سو دو سو مرتبہ گھر سے باہر نہ نکلے ہوں اور پھر باہر سے مکان میں نہ تشریف لے گئے ہوں انصاف شرط ہے جو تمام دن زن فرزند کی ماتم داری میں بسر کرے اُسے تھوڑے آرام کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو منشی صاحب کو آرام کہاں ملا؟ لیلائے شب آئی تو بخت اداے رحیمن میں لیٹی ہوئی آئی! معشوقوں کی ادائیں برق پاش ہوا کرتی ہیں لیکن اس ظالم نے رحیمن پاشی کو شیوا بنا لیا تھا گوشے گوشے میں ایک ایک رحیمن الگ الگ نظر آتی تھی! رحیمن تو ایک ہی تھی لیکن آرزوے انتقام نے مرنے کے بعد اُسمیں کس بلا کی قوت پیدا کر دی تھی! گویا اُسکی تربت کا ذرہ ذرہ رحیمن بن گیا تھا!

ادھر صرف ایک نفس قدسیہ (منشی لطیف احمد) تھا جو سیکڑوں بلکہ ہزاروں رحیمنوں سے حملہ روک رہا تھا مگر کبتک؟ وہ بھی آدمی تھا۔ اس کے پہلو میں بھی بھوت پریت سے ڈر جانے والا دل تھا! اثر ہوا! اور نہایت خطرناک طریقے سے اثر ہوا۔ جو دماغ قانونی مبحث کا مرکز تھا اُسے ایک جاہل عورت کے خوف نے مختل کرنا شروع کیا! حواس خمسہ پر بیم و رجا کا تسلط ہوا! ہوش گم ہو گئے اور اب منشی صاحب کے دل میں (رحیمن) (آنکھوں میں رحیمن) (زبان پر رحیمن) جدھر نظر اٹھی رحیمن نظر آئی، وہی بھیانک چہرا، وہی شعلہ فشاں آنکھیں، وہی نیلے دانت، وہی سوکھے سوکھے ہاتھ پاؤں! الامان والحفیظ! منشی جی قصبہ کے راستوں میں بھاگتے پھرتے تھے لیکن رحیمن اُنکا پنڈ نہ چھوڑتی تھی!

قصبہ کے شریر لڑکو تفریح ہاتھ لگی وہ رحیمن کا نام لے کر منشی صاحب کے پیچھے دوڑتے تھے منشی صاحب بھاگتے تھے بھاگنے مین ٹھوکرین کھاکے گرتے تھے اور گرنے سے منھ ہاتھ پیٹے پاؤن ٹوٹتے تھے جسکے دروازے پر پناہ لیتے تھے وہ مجنون سمجھ کے دتکار دیتا تھا راہون پر، گلیون مین، کھلے میدانون مین کھیت کی میڈون پر، گنجان جھاڑیون اور ہرے بھرے باغون مین منشی صاحب کے پیچھے شرپسند لڑکون کا جم غفیر رہتا تھا۔ کبھی رحیمن کے ساتھ بھی یہ مجمع دیکھا نہ گیا تھا جو انہوہ منشی صاحب کے گھر کا ہوتا تھا!

ایک زمانہ تھا کہ منشی صاحب بغیر پانچون کپڑون سے درست ہوئے گھر سے باہر قدم نہ نکالتے تھے یا آج جسم پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا ایک لنگوٹی ستر پوش کر رہی تھی (جو لونڈون کی دست برد سے اب تک محفوظ تھی)!

منشی صاحب کو مکان سے قطعی تنفر پیدا ہو گیا تھا! کیونکہ اسکی ایک ایک اینٹ مین رحیمن بیٹھی تھی وہ عالم جنون مین بھی اس طرف کا رخ نہ کرتے تھے! لیٹرونکی بن آئی تھی! گھر کی ٹوٹی پھوٹی گرہستی اغیارون کے ہتے لگی! کوٹھری کی دہنیون۔ چوکھٹ بازو اور چھتونکی لکڑی سے چولھے گرم ہوئے۔ دیوارونکی مٹی سے کھیتونکی میڈین بنین۔

افسوس بد معاشونکو منشی صاحب کے قلم وقانون دانی کا بھی خوف نہ آیا! وہ تو سمجھ چکے تھے کہ منشی جی کبھی ہوش ہی مین نہ آئینگے انکے سوا کوئی اور بازپرس کرنیوالا نہین!

منشی صاحب سچ مچ پاگل ہو گئے تھے! جسطرح انھون نے رحیمن کو پاگل بنایا تھا اسطرح رحیمن نے بھی اپنی جان دیکر انکا دماغ الٹ دیا! اگر دن پنچایت نے منشی جی کی مدلل تقریر سن کر انکی بے گناہی کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن آج قدرت نے خود انکی زبان سے اعتراف قصور کرا دیا! وہ گلی کوچون مین اپنی خیانت کا اقرار کرتے پھرتے تھے! عدالت نے انپر کوئی دفعہ لگا کر جرم نہین ٹھہرایا تھا لیکن آسمانی عدالت نے دفعہ عائد کر کے وہی سزا بھی دی در اصل وہ جسکے مستحق تھے!

جس صورت نے منشی لطیف احمد کو ڈرایا تھا اب خود منشی جی اس سے زیادہ بدقطع اور مہیب نظر آتے تھے انکا چہرہ رحیمن کے چہرے سے زیادہ خوفناک تھا! ہاتھ پاؤن رحیمن کے ہاتھ پاؤن سے زیادہ لاغر تھے! فرق تھا تو اتنا کہ رحیمن سے ڈر کر شریر بچے انپر فبصلونکی بوچھار کرتے تھے! اور منشی جی انکے قادر انداز ہاتھونکا توڑ دہ تھے! رحیمن تو صرف خلیل کے ہاتھون مجروح ہوئی تھی مگر ہمارے منشی جی کے لیے قصبہ بھر کے لڑکے خلیل بن گئے تھے!

ایکہ ان رات کو عالم جنون مین منشی لطیف احمد اپنے مکان کی طرف آنکلے! اگرچہ انقلاب نے مکان کی حالت بدل دی تھی! مگر انھون نے پہچان لیا۔ پہلے گھر مین کل اس کا ایک دروازہ تھا! اور اب قصبہ والون نے ہر طرف لیسے دروازے بنا دیے تھے کہ آسانی سے کتے بلی آجاسکین! دیوارین منہدم تھین! لکڑی کا نام تک نہ تھا! کوچہ گرد کتے شب کو کوٹھری کے رقبہ یا دالان مین پڑ رہتے تھے! منشی جی نے خوف بھری نگاہون سے مکان کو دیکھا! اجی کھچی دیوارون پر رحیمن کی تصویرین منقش پائین! خوف بڑھا! اور خوف کے ساتھ جنون نے ترقی کی! راستہ مین ایک بکس میچس کا ملگیا تھا! بازار جاکر کسی دکان سے تیل کی کپی بھی اٹھالائے قریب کے باغون اور کھیتون سے خس و خاشاک سمیٹ کر ڈھیر لگایا پھر اس پر تیل ڈالکر آگ لگادی! اپنی دانست مین رحیمن کی خبیث روح کو پھونکدیا! اس کام سے فارغ ہوکر جوش دیوانگی مین کسی طرف نکل گئے! اور یون اس متبرک خاندان کا خاتمہ ہوگیا!!

اس روز سے منشی لطیف احمد کا پتا نہین کہ کہان گئے! زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا! جس پر منشی صاحب کی حرم سرا تعمیر تھی وہ زمین اُفتادہ پڑی ہے! دہقان وہان کھیت بونا بھی پسند نہین کرتے! زمیندار مکان بنانے سے پرہیز کرتے ہین! لیکن منشی صاحب کے کارنامے ابتک زندہ ہین سنڈیلہ کی کوئی فرد ایسے نہین جس نے اس قصہ کو صفحۂ دل سے محو کیا ہو! جب کسی پر خیانت یا بے ایمانی کا الزام عائد ہوتا ہے! تو لوگ اُسے منشی جی سے مثال دیتے ہین! یہ تھا مآل کار جو منشی صاحب چھوڑ گئے!

تمام شد سنہ ۱۹۲۲ء

اشک جناب شاہ مرزا صاحب لکھنوی شاگرد جناب کامل رضا

تو جو آیا نہیں اغیار کے سمجھانے سے
دل گیا ہاتھ سے میرا نہ ترے آنے سے

ایک ساغر سے زیادہ نہیں دیتا ساقی
مئی بھی تقسیم جو کرتا ہے تو پیمانے سے

فرقت یار میں ہیں آنکھ سے آنسو جاری
مئی چھلک جاتی ہے ہر مرتبہ پیمانے سے

بول بالا رہے ساقی یہ نہیں چشم پُر آب
جام لبریز لیئے جاتے ہیں میخانے سے

بے سبب شمع جلاتی ہے جو جلکر سر بزم
ہائے کیا جانیے کیا لاگ ہے پروانے سے

کس لیئے اشک بہاتی ہے بھری محفل میں
تجھکو اے شمع وہ اُلفت نہیں پروانے سے

مثل ناقوس جو دی دل نے ہمارے آواز
بت نکل آئے تماشے کو صنم خانے سے

ہم موئے گرمی بازار جنون سرد ہوئی
کیا دکان بند ہوئی جنس کے اُٹھ جانے سے

حضرت شیخ کا اُسوقت کوئی دیکھے رنگ
سجدے کرتے ہوئے جب جاتے ہیں میخانے سے

آشیان موسم گرما میں بنانے کے لیے
تنکے لیجاتی ہے بلبل ترے خمخانے سے

قاف کی سمت جو وحشت میں نکل جاتا ہوں
غول پریوں کے ہنسا کرتے ہیں دیوانے سے

عکس پر اپنے جو آئینہ میں کی تو نے نظر
وہ بھی شرما گیا ظالم ترے شرمانے سے

دل میں پائی ہے محبت جو علی کی اے اشک
گنج یہ ہاتھ لگا ہے مجھے ویرانے سے

ایضاً

گل نہ بادِ صبا کے قفس میں نہ چمن یاد آیا
غش مجھے دیکھ کے رخسارۂ صیاد آیا

مر گیا کنج قفس کی یہ اٹھائی اینڈا
لب پہ لیکن نہ کبھی شکوۂ صیاد آیا

پھنس گیا دام میں ایوائے مری بیخبری
جانتا تھا کہ مری گھات میں صیاد آیا

دل بیمار جو سینے میں کراہا شب بھر
ہائے کیا جانئے کمبخت کو کیا یاد آیا

موسم گل کے یہ دن ہیں مدد اے جوش جنون
بیڑیاں ڈالنے کو پانوں میں حداد آیا

زمزمے کرتی ہے کیا پھول کے تو اے بلبل
کچھ خبر ہے کہ نہیں گھات میں صیاد آیا

خوب ہی عالم غربت میں مرا ساتھ دیا
کام آیا تو مرے وقت میں ہمزاد آیا

زمزمے سُنکے مرے باغ مین ہنگام سحر
آنکھین ملتا ہوا گلزار مین صیاد آیا

دیکے دل بھول گیا مین تو وہ لیکر بھولا
نہ اُسے یاد رہا پھر نہ مجھے یاد آیا

خوب وحشت کے زمانے نے دکھائے جلوے
روز آغوش تصور مین پریزاد آیا

اُنگلیان خار اُٹھائے ہین خدا خیر کرے
دل بلبل کو یہ کھٹکا ہے کہ صیاد آیا

مہ نو دیکھ کے آنسو جو نکل آئے مرے
کسی کرتے کا گریبان مجھے یاد آیا

راہ لی کوچۂ دلدار کی ہمنے اے اشک
نجد کو قیس گیا کوہ پہ فرہاد آیا

ایضاً

کیا بتاؤن کہ کہان ہین وہ ستانے والے
دل مین رہتے ہین مرے دل کے دُکھانیوالے

روح اپنی ترے کوچے مین رہے گی پس مرگ
اور ہی لوگ ہین وہ خلد کے جانیوالے

چشم اُمید رقیبون سے کسے ہے ایدل
اور یہ آگ مین ہین آگ لگانیوالے

کیون نہ بدظن ہون وہ ہم سے جو زمانہ بھڑکائے
قہر کر دیتے ہین دو چار لگانے والے

مین جو لیتا ہون بلائین تو وہ فرماتے ہین
کہین غارت نہین ہوتے یہ ستانے والے

وعدۂ وصل ہزارون ہی کئے اور مکرے
ادھر آ اور مرے باتونکے بنانے والے

برسون ہی گذرے مگر ہم سے تکلف نہ گیا
رنگ دو دن مین جمانے ہین جمانیوالے

راستہ ملک عدم کا نہین رکھتے دیکھا
روز دو چار چلے جاتے ہین جانیوالے

آج پھر ناز سے وہ تیغ بکف آتے ہین
بیگنہ عاشقون کا خون بہانیوالے

دیکھتے حسن و جمال آج تمھارا صاحب
نہ ہوے کیا کہین یوسف کے زمانیوالے

اک ہمین پیچھے رہے جاتے ہین افسوس ایدل
قافلے لیکے روانہ ہوئے جانیوالے

اس زمین مین نہ تجھے اشک غزل کہنا تھا
کہہ گئے خوب اجی اگلے زمانے والے

فہرست مفت

ہاجرہ کی کامیابی

بالکل جدید مذاق کا ایک اور بحسن ناول۔ جو سچی محبت کا ایک دلچسپ افسانہ ہے اور جس مین ہندوستان کی موجودہ معاشرت کی گوناگون خرابیون اور نقایص سے بحث کی گئی ہے اور انہین قومی ترقی کا سدراہ ثابت کیا ہے۔

معشوق بیوفا

ایک دلچسپ پھڑکتا ہوا ناول جس مین ایک بازاری طوائف کی بیوفائیان اور اُسکا عبرتناک انجام دغاد مکاری کا سچا فوٹو۔ شراب خواری کا بُرا نتیجہ اور اُسکے حسرت انگیز نقصانات۔ بدکاری کی بھیانک صورت۔ بیوفائی کا مرقع نہایت دلچسپ پیرایہ مین دکھائے گئے ہین۔

نازنین بلخ

یعنی میکائیل میکلین کی مشہور کتاب "دی پرنسس آف بلخ" کا اردو ترجمہ جس مین حسن عشق سوز و گداز وغیرہ نہایت پاکیزہ انداز بیان۔

ستارہ بیگم

نادرشاہ کی کامل سوانحعمری۔ تاریخی واقعات کا مجموعہ۔ شیرازی کے مکر و فریب ستارہ کی محبت و وفاداری۔ ہندوستان کے ستم کی خونی تصویر۔ دنیا کے نشیب و فراز۔

فاتح یورپ

نپولین بوناپارٹ کی حیرت انگیز کامیابی کا راز۔ اُس کی شخصی زندگی کے دلچسپ واقعات و مافی قابلیت کے تذکرے۔ ملکہ جوزیفین فرانس کے مدبرون کی تاریخی تصویرین دونو جوانونکا عشق وغیرہ۔

مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ۔